اعلحضرت نیٹ ورک
تصنیف لطیف :
اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ
ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

افصح البیان فی حکم مزارع ھندوستان

۱۳۱۸ھ

(ہندوستان کی زمینوں کے تفصیلی احکام)

مسئلہ ۸۶ از بہار شریف مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب طالب علم ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ وُہ سب زمین ہندوستان کی جس کی مالگزاری زمیندار نقد دیتے ہیں آیا عشری ہے یا خراجی، اگر عشری ہے تو بعد منہائی مالگزاری کے واجب ہے یا بلا منہائی، اور یہ بھی کہ اس صورت میں کہ زمیندار سب اپنی رعایا کے ساتھ زمین کو بندوبست کرتے ہیں اس صورت میں عشر کس پر واجب ہے، زمیندار پر یا رعایا پر؟ اور بصورت خراجی ہونے کے وُہ مال گزاری جو نقد دیتے ہیں وہی خراج تصور کیا جائیگا اور کوئی دوسرا، اور جب دوسرا ہوگا تو مالگزاری منہا دے کر خراج شرعی دینا ہوگا یا بغیر منہا، اور کس قدر اور کس حساب سے دینا ہوگا، اور بصورت عدم عشری و عدم خراجی ہونے کے ہم زمینداروں کو کیا کرنا چاہئے جو مواخذہ سے بری ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل

شرعی سے ثابت نہ ہو۔ کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاونا بما لایتجاوز الحق عنہ (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے جس سے حق متجاوز نہیں۔ت) بلکہ وہ عشری ہیں یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے۔

اما علی الاول فظاھر واما علی الثانی فکما حققہ فی ردالمحتار اخلافا لما فی التحفۃ المرضیۃ ثم الشرنبلالیۃ ثم الدرالمختار وما حققہ واضح نفیس، والدر انما عزاہ للشرنبلالی والشرنبلالی لصاحب التحفۃ عن العلامۃ صاحب البحر فالیہ دار فیہ الامر وھو رحمہ اللہ تعالٰی وما فی التحفۃ لم یستند فیہ النقل انما اعتمد علی عدم رؤیتہ نقلا بلزوم العشر فیہ وانت تعلم ان عدم الرؤیۃ لیست رؤیۃ العدم ولا عدم النقل نقل العدم والنصوص مطلقۃ والعشر یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال
اقول ومعنی کون ما فتحناہ فابقیناہ لنا الی یوم القیامۃ من دون ان نعطیھا ملاکھا او کفارا اخرین اونقسمھا بین الغانمین وکذا اما مات ملاکھا فالت لبیت المال ان العشر والخراج انما یوجب حقا للمسلمین وھذہ قد کانت او صارت لھم فلا وجہ لان یوجب شیئ لھم

پہلی صورت میں تو معاملہ واضح ہے اور دوسری صورت میں بھی عشر ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل ہے، البتہ تحفہ مرضیہ پھر شرنبلالیہ پھر درمختار کا اس میں اختلاف ہے اور صاحبِ درمختار کی تحقیق نہایت نفیس ہے، در نے شرنبلالی اور شرنبلالی نے صاحبِ تحفہ سے اور وہاں علامہ صاحبِ بحر کی طرف منسوب ہے، اور معاملہ کی بنیاد یہاں یہی ہے اور مذکور شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے اور جو کچھ تحفہ میں ہے اس کے نقل پر کوئی دلیل نہیں، اس پر اعتماد صرف اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ ایسی زمین میں عشر کے لازم ہونے پر کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری اور آپ جانتے ہیں کہ عدمِ رؤیت، رؤیتِ عدم نہیں ہوتی۔ عدمِ نقل، نقلِ عدم نہیں۔ حالانکہ نصوص مطلق ہیں اور جو زمین نہ عشری ہو اور نہ خراجی وہاں عشر لازم ہوتا ہے۔
اقول اس عبارت کہ "ہم نے زمین فتح کی اور اسے تاقیامت اپنے لیے رکھا" کا معنی یہ ہے کہ اسے مالکوں کو واپس نہ دیا یا دیگر کفار کو نہ دی یا بطورِ غنیمت اسے لشکریوں میں تقسیم نہ کیا اسی طرح وہ زمین جس کا مالک فوت ہوگیا اور وہ بیت المال کی ہوگئی کیونکہ عشر اور خراج مسلمانوں کے حق کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ یہ مذکورہ زمین یا تو ہے ہی مسلمانوں کی یا ان کی طرف لوٹ آئے گی، لہٰذا مسلمانوں کے لیے ان پر کوئی

www.alahazratnetwork.org

علیهم ففراغ الوظیفة لعدم من یوظف
علیه کارض خربة لم تزرع اصلا
اما اذا وجدنا من نوجب علیه فلا
معنی للفراغ وقد نص المحقق
علی الاطلاق فی فتح القدیر اواخر
باب زکوة الزروع فی تعلیل قول الامام
رضی الله تعالٰی عنه ان الذمی
اذا اشتری عشریة من مسلم
تصیر خراجیة[1] ما نصه وجه قول
ابی حنیفة انه تعذر العشر لان
فیه من معنی العبادة والارض لاتخلوا
عن وظیفة مقررة فیها شرعا[2] اھ
مختصرا فهذا بحمد الله نص
فیما عولنا علیه ولله الحمد و
بالجملة ما لبیت المال فارغة مادامت
لها فاذا انتقلت لملك احد بوجه
صحیح کما هو المحمل فی
الارضی التی بایدی الناس
یتوارثونها ویتصرفون فیها
تصرف الملاك کما حققه فی رد المحتار
وبیناه فی فتاونا فلا محید عن التوظیف
الاتری ان الموات تکون لبیت المال

شئی واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں، یہاں عشر وخراج
کا نہ لازم ہونا اس لیے ہے کہ یہاں کوئی ایسا
شخص ہی نہیں جس پر کچھ لازم کیا جائے جیسے کہ بنجر
زمین جو بالکل ہی کاشت نہ کی گئی ہو اور اگر ہم یہاں
ایسے شخص کو پالیں جس پر کوئی شیئ لازم کریں تو فراغ
کا کوئی معنٰی نہ ہوگا۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر
میں باب زکوٰۃ الزارع کے آخر میں امام صاحب
رضی اللہ عنہ کے قول کی علت بیان کرتے تصریح کی ہے
کہ ذمی نے جب عشری زمین کسی مسلمان سے خریدی
تو وُہ خراجی ہوجائے گی۔ امام ابوحنیفہ کے قول کی
وجہ یہ بیان کی کہ یہاں عشر نہیں ہوسکتا کیونکہ عشر
میں عبادت کا پہلو ہے اور زمین شرعی طور پر کسی مقرر
وظیفہ سے خالی نہیں ہوسکتی اھ اختصارًا، بحمداللہ یہ
یہ ہمارے مختار پر تصریح ہے وللہ الحمد۔ الغرض
بیت المال کی زمین جب تک بیت المال کی ہے وُہ
ہر وظیفہ سے فارغ رہے گی حتی کہ وہ کسی طریق صحیح
سے کسی کی ملکیت میں چلی جائے جیسا کہ معاملات اراضی
کا ہے جو لوگوں کے پاس بطور وراثت منتقل ہوتی
ہیں اور ان میں وُہ مالکوں جیسا تصرف کرتے ہیں
جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور ہم نے اسے اپنے
فتاوٰی میں بیان کیا ہے پس انہیں وظیفہ سے چھٹکارا
نہیں، کیا تمہارے علم میں نہیں کہ جب بے آباد زمین

---

[1] فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع الثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۶
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۹۷

وھی فارغۃ فاذا ھی تحیی باذن الامام فتصیر ذات وظیفۃ کذا ھذا۔

بیت المال کی ملکیت ہو تو وہ وظیفہ سے فارغ ہوتی ہے توجب وُہ حاکم کی اجازت سے وہ آباد ہوجائے تو وُہ زمین صاحبِ وظیفہ کی ہوجائیگی یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔ (ت)

اور عشر پُوری پیداوار کا لیا جائے گا نہ صرف منافع خالص کا،

فی تنویر الابصار یجب العشر بلا رفع مؤن الزرع[1] فی الدر المختار لتصریحھم بالعشر فی کل الخارج[2] اھ قلت ومن یظلم لایظلم۔

تنویر الابصار میں ہے کہ کھیتی کے تمام اخراجات نکالے بغیر عشر لازم ہے۔ درمختار میں اس کی دلیل یہ دی ہے کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ عشر تمام پیداوار پر ہے۔ (ت)

قلت ومن یظلم لایظلم (میں کہتا ہوں ظلم کے بدلے ظلم نہ کیا جائیگا۔ ت)

زمین اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارع سے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف یا ثلث غلہ قرار دیا جائے تو مالکِ زمین پر صرف بقدر حصہ کا عشر آئیگا مثلاً مزارعت بالمناصفہ کی صورت میں سَو من غلہ پیدا ہوا تو زمیندار پانچ من عشر میں دے، اور اگر اجارہ میں دی گئی جسے لوگ نقشی کہتے ہیں مثلاً سَو روپیہ بیگھہ پر اٹھائی تو سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک کل عشر مالکِ زمین پر ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک کل مزارع پر ہے زمیندار سے کچھ مطالبہ نہیں۔ امام قاضی خاں نے قولِ اوّل کے اظہر ہونے کا اشارہ کیا،

وعلیہ اقتصر الامام الخصاف وبہ جزم فی منظومۃ النسفی والاسعاف واعتمدہ المتاخرون کالخیر الرملی واسمٰعیل الحائک وحامد آفندی وغیرھم رحمھم اللہ تعالٰی۔

امام خصاف نے اسی پر اکتفار کیا ہے اور منظومہ نسفی اور اسعاف میں اسی پر جزم کیا ہے اور متاخرین مثلاً خیر رملی، اسمٰعیل حائک، حامد آفندی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی پر اعتماد کیا ہے (ت)

مگر حاوی قدسی میں قول دوم پر فتوٰی دیا اور وُہ بھی لفظ ناخذ (ہم اسی کو لیں گے۔ ت) کہ آکد الفاظ فتوٰی سے ہے وہ تصحیح التزامی تھی اور یہ صریح ہے،

فی الدر المختار العشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولھما ناخذ و

درمختار میں ہے کہ عشر کرایہ پر دینے والے پر ہے جیسا کہ مقرر خراج، صاحبین کے نزدیک عشر کرایہ دار پر ہے جیسے کہ مسلمان عاریۃً کوئی چیز لے حاوی

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹

[2] ایضاً

فی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة[1]

فی رد المحتار تحت قوله "وفی المزارعة الخ" ماذکره الشارح هو قولهما اقتصر علیه لما علمت ان الفتوی علی قولهما بصحة المزارعة لکن ماذکر من التفصیل یخالفه ما فی البحر والمجتبی والمعراج والسراج والحقائق والظهیریة وغیرها من ان العشر علی رب الارض عنده وعلیهما عندهما من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما[2] الخ۔

میں ہے ہم صاحبین کا قول لیتے ہیں اور مزارعت میں اگر بیج زمین کے مالک کا ہے تو اس پر عشر ہے اور اگر عامل کا ہے تو حصّہ کے مطابق دونوں پر ہوگا، ردالمحتار میں ماتن کے قول "وفی المزارعۃ الخ" کے تحت یہ شارح نے جو کہا یہ صاحبین کا قول ہے، اور اس پر اکتفاء کی وجہ آپ جان چکے کہ صحتِ مزارعت کے بارے میں صاحبین کے قول پر فتوٰی ہے لیکن جو تفصیل میں بیان ہُوا وہ اس کے مخالف ہے، جو بحر، مجتبٰی، معراج، سراج، حقائق، ظہیریہ وغیرہ میں ہے کہ امام صاحب کے نزدیک عشر مالکِ زمین پر ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں پر ہے مگر تفصیل کا ذکر نہیں، اور عشر پیداوار میں واجب ہے اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی لہذا عشر دونوں پر ہوگا الخ (ت)

بالجملہ قول دوم بھی ضعیف نہیں اور ہمارے بلاد میں وہی ارفق بالناس ہے یہاں اجرتیں بلحاظ عشر ہرگز مقرر نہیں ہوتیں، اگر پیداوار کا عشر اُجرت سے دلائیں تو غالباً کچھ نہ بچے بلکہ بہت جگہ عشر ہی میں گھر سے دینا پڑے باقی مصارف دیہی ومالگزاری انگریز جُدا رہے، اور اگر اس پر مجبور کیجئے کہ اب وہ اُجرتیں مقرر کیجئے کہ عشر و مالگزاری و جملہ مصارف دے کر تمہارے لیے بقدر کفالت بچے تو یہ ہرگز میسر نہیں، مزارعین اس پر کیوں راضی ہونے لگے

وفی نزع الناس عن عاداتهم حرج والحرج مدفوع بالنص لا یکلف اللّٰه نفسا الا ما اٰتٰها سیجعل اللّٰه بعد عسر یسرا[3] وهذا کما ذکر العلامة الشامی رحمه اللّٰه تعالٰی فی اوقات

لوگوں کو ان کی عادات سے روکنا حرج ہے اور حرج کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری ہے اللہ تعالٰی ہر نفس کو اتنی تکلیف دیتا ہے جتنا اسے عطا فرمایا ہے عنقریب اللہ تعالٰی دشواری کے بعد

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰ - ۱۳۹
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۶۱
[3] القرآن ۶۵/۷

بلادہ انہ لا تفی الاجرۃ ولا اضعافھا بالعشر اوخراج المقاسمۃ قال فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولھما فی ذلک لانھم فی زماننا یقدرون اجرۃ المثل بناء علی ان الاجرۃ سالمۃ لجھۃ الوقف ولا شیئ علیہ من عشر وغیرہ امالو اعتبر دفع العشر من جھۃ الوقف وان المستاجر لیس علیہ سوی الاجرۃ فان اجرۃ المثل تزید اضعافا کثیرۃ کما لایخفی فان امکن اخذ الاجرۃ کاملۃ یفتی بقول الامام والا فبقولھما لما یلزم علیہ من الضرر الواضح الذی لایقول بہ احد واللہ تعالٰی اعلم[1] اھ۔

آسانی فرمادے گا، یہ اسی طرح ہے جو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے شہروں کے ان اوقاف کے بارے میں ذکر کیا ہے جن میں نہ اجرت نہ اس کے ساتھ عشر کا اضافہ اور نہ ہی غلّے کی تقسیم پوری ملتی ہے، انھوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں صاحبین کے قول پر فتوٰی دینے سے اعراض مناسب نہیں کیونکہ ہمارے دَور میں لوگ اجرت مثلی مقرر کرتے ہیں اس بنا پر کہ وقف کے لیے اجرت مثلی مقرر کرنے میں نقصان سے سلامتی ہے اور اس پر کوئی عشر وغیرہ نہیں اور اگر وقف کی جانب سے عشر دینے کا اعتبار کیا جائے اور مستاجر پر سوائے اجرت کے کچھ نہ ہو تو اجرت مثلی کئی گنا بڑھ جاتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں، تو اگر کاملاً اجرت لینا ممکن ہو تو امام صاحب کے قول پر فتوٰی ہوگا ورنہ صاحبین کے قول پر، تاکہ اس سے وہ واضح نقصان لازم نہ آئے جس کا قول کسی نے بھی نہیں کیا واللہ تعالٰی اعلم اھ (ت)

رہی وُہ زمین جس کی نسبت خراجی ہونا ثابت ہو جائے مثلاً تحقیق ہو کہ ابتدائے زمانہ سلطنت اسلام سقی اللہ تعالٰی عہدہا میں ابتداءً یہ زمین کسی کافر ذمی کی تھی کہ اس نے باذنِ سلطان احیاء کی، سلطان نے اسے عطا کی، اُس سے مسلمان نے خریدی یا مسلمان نے خراجی زمین کے قرب میں احیاء کی، اس کا وظیفہ ضرور خراج ہے اور بلاشبہ خراج شرعی سے مالگزاری انگریزی کا کوئی تعلق نہیں، نہ حساب ادا میں وہ مجرا دی جائے وھذا ظاھر جلی لاخفاء بہ (اور یہ ظاہر و روشن ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ ت) امرِ تحقیق طلب یہ ہے کہ جب یہاں نہ سلطنتِ اسلام نہ لشکرِ اسلام تو خراجِ شرعی بھی واجب رہا یا نہیں، اور رہا تو کسے اور کیا ورکتنا دیا جائے۔ **اقول** وباللہ التوفیق یہ تو کتب میں مصرح ہے کہ مطالبۂ خراج مشروط بہ تسلط ہے، جن بلاد پر جتنے دنوں سلطنت شرعیہ کا تسلط نہ رہے بعد تسلط بھی اُن ایام کے خراج کا مطالبہ نہیں خواہ انھوں نے اتنے دنوں کسی اور قوم کو خراج دیا یا اُسے بھی نہ دیا ہو کہ خراج لینا حمایت فرمانے کے ساتھ

---

[1] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/۶۰

ہے جب اُتنے دنوں سلطنتِ دینیہ ان کی حمایت سے جُدا رہی اس مدت کا خراج نہیں لے سکتی۔ کنز میں ہے،

لو اخذ العشر والخراج والزکوٰۃ بغاۃ لم یؤخذ اخری[1]

اگر باغی عشر، خراج اور زکوٰۃ وصول کرلیں تو دوبارہ نہ لیا جائے گا۔ (ت)

ہدایہ، بحر وغیرہما میں ہے:

لان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ۔[2]

کیونکہ حاکم نے ان کی حمایت نہیں کی اور خراج تو حمایت کی بنا پر ہوتا ہے (ت)

تبیین وبحر وغنیہ ذوی الاحکام میں ہے:

اشتراط اخذھم الخراج ونحوہ وقع اتفاقا حتی لو لم یاخذ منہ سنین وھو عندھم لم یؤخذ منہ شیئ ایضا لما ذکرنا۔[3]

خراج وغیرہ لینے کی شرط لگانے کا ذکر اتفاقی ہوا ہے حتی کہ اگر کئی سال ان سے وصول نہ کی حالانکہ ذمی ان کے پاس تھا تو اب سابقہ سے بھی کوئی شیئ نہ لی جائیگی جیسا کہ ہم نے بیان کردیا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ویظھرلی ان اھل الحرب لو غلبوا علی بلدۃ من بلادنا کذلك للتعلیلھم اصل المسئلۃ بان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ وفی البحر وغیرہ لو اسلم الحربی فی دار الحرب واقام فیھا سنین ثم خرج الینا لم یاخذ منہ الامام الزکوٰۃ لعدم الحمایۃ الخ۔[4]

مجھ پر یہ ظاہر ہُوا ہے کہ اگر اہلِ حرب ہمارے کسی شہر پر غالب آجائیں تو حکم یہی ہوگا کیونکہ یہاں دلیل وعلت وہی ہے کہ حاکم نے ان کی حمایت نہیں کی اور خراج حمایت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور بحر وغیرہ میں ہے اگر حربی نے دارالحرب میں اسلام قبول کرلیا اور وُہ وہاں ہی کئی سال تک مقیم رہا پھر ہمارے ہاں آیا تو حاکم عدمِ حمایت کی وجہ سے اس سے کچھ وصول نہیں کرسکتا الخ (ت)

اور یہ بھی تصریح ہے کہ مصرف خراج لشکرِ اسلام ہے فقراء کا اس میں کچھ حق نہیں،

---

[1] کنز الدقائق — فصل فی الغنم — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ص ۵۹
[2] بحرالرائق — " — " " " — ۲/۲۲۳
[3] تبیین الحقائق — فصل فی صدقۃ الغنم — مطبعہ کبرٰی بولاق مصر — ۲/۲۷۴
[4] ردالمحتار — باب زکوٰۃ الغنم — مصطفی البابی مصر — ۲/۲۶

فی العنایۃ تحت مسئلۃ شراء ذمی عشریۃ من مسلم فی توجیہ روایۃ عن محمد حق الفقراء تعلق بہ فھو کتعلق حق المقاتلۃ بالاراضی الخراجیۃ ثم قال فی توجیہ اخری مایصرف الی الفقراء ھو ماکان ﷲ تعالٰی بطریق العبادۃ ومال الکافر لیس کذلک فیصرف فی مصارف الخراج[1] وفی الدرالمختار عن ابن الشحنۃ فی نظم بیوت المال ع

وثالثھا خراج مع عشور

الی ان قال،

فمصرف الاولین اتی بنص

وثالثھا حواہ مقاتلونا[2] اھ

وفی الفتح والعنایۃ وغیرھما قبیل باب الجزیۃ مصرف العشر الفقراء ومصرف الخراج المقاتلۃ[3] اھ وقد اعترض فی الفتح فی المسألۃ المارۃ علی جعل العشریۃ بشراء الذمی خراجیۃ بان التغییر ابطال لحق الفقراء بعد تعلقہ فلا یجوز[4] الخ۔

عنایہ میں اس مسئلہ "ذمی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی" کے تحت امام محمد رحمہ اللہ سے مروی روایت کی توجیہ میں ہے کہ فقراء کا اس کے ساتھ حق متعلق ہے، پس یہ اسی حق کی طرح ہے جس طرح خراجی زمینوں کے ساتھ حق مقاتلہ کا تعلق ہوتا ہے پھر دوسری توجیہ کرتے ہُوئے کہا کہ جو کچھ فقراء پر خرچ کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالٰی کے لیے بطور عبادت ہوتا ہے اور مالِ کافر میں یہ بات نہیں ہوتی لہذا اسے مصارفِ خراج میں ہی خرچ کیا جائے گا اور درمختار میں ابن شحنہ سے بیوت المال کی نظم میں ہے:

اور تیسری قسم خراج مع عشر ہے۔

آگے چل کر کہا:

پہلی دونوں کے مصارف نص میں موجود ہیں اور تیسری کا مصرف ہمارے مقاتلہ (لشکرِ اسلام) ہوتے ہیں۔ اھ

اور فتح اور عنایہ وغیرہ میں باب الجزیہ سے تھوڑا پہلے ہے کہ عشر کا مصرف فقراء اور خراج کا مصرف مقاتلہ کرنے والے (لشکرِ اسلام) ہوتے ہیں اھ فتح میں گزشتہ مسئلہ کہ عشری زمین کا ذمی کے خریدنے سے خراجی ہونے پر اعتراض کیا ہے کہ زمین کے ساتھ فقراء کا حق متعلق ہونے کے بعد تغیر ان کے حق کو باطل کر دیتا ہے جو جائز نہیں الخ (ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب العشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۹۶

[2] درمختار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[3] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۸۶

[4] " باب زکوٰۃ الزروع والثمار " ۲/۱۹۷

www.alahazratnetwork.org

اور شک نہیں کہ جب مصرف نہ باقی ہو، مطالبہ کس کے لیے ہو، ولہذا ہمارے امام کے نزدیک عاشر تاجر سے خربوزے، کھیرے، ککڑی وغیرہا جلد بگڑ جانے والی پیداوار کا عشر نہ لے گا جبکہ فقراء موجود نہیں کہ مصرف ہی نہیں اور وُہ اشیاء رکھنے سے بگڑ جائیں گی، تو مطالبہ عبث ہے۔

فی الفتح قبیل باب المعادن من مربطاب اشتراھا للتجارۃ کالبطیخ والقثاء و نحوہ لم یعشرہ عند ابی حنیفۃ فانہا تفسد بالاستبقاء ولیس عند العامل فقراء فی البر لیدفع لہم فاذا بقیت لیجد ھم فسدت لیفوت المقصود[1] اھ مختصرًا۔

فتح میں باب المعادن سے تھوڑا پہلے ہے کہ جو شخص سبزیوں کے کھیت کے پاس سے گزرا اس نے تجارت کے لیے انھیں خریدا مثلاً خربوزہ اور کھیرا وغیرہ، تو اب امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس پر عشر نہ ہوگا کیونکہ وہ باقی رکھنے سے خراب ہوجاتی ہیں، اور عامل کے پاس جنگل میں فقراء نہیں ہوتے جنہیں وُہ عشر دے دے، اور اگر انھیں فقراء کے پانے کے لیے باقی رکھتا ہے تو وہ خراب ہوجاتے ہیں تو اس سے مقصود فوت ہوجاتا ہے اھ اختصاراً (ت)

بلکہ علماء نے تصریح فرمائی کہ کل خراج کا وجوب ہی لشکرِ اسلام کے حق کے لیے اور ان کی حمایت کا معاوضہ ہے۔ فتح القدیر، کتاب السیر، باب العشر میں ہے:

الخراج جزاء المقاتلۃ علی حمایتہم فماسقی بما احموہ وجب فیہ[2] اھ۔

خراج لشکرِ اسلام کی حمایت کا معاوضہ ہے، جو زمین ان کی حمایت سے سیراب ہوگی اس میں خراج واجب ہوگا اھ (ت)

عنایہ میں اسی جگہ ہے:

الخراج یجب جبرًا للمقاتلۃ فیختص وجوب الخراج بما یسقی بماء حمتہ المقاتلۃ (الی قولہ) الی ھذا اشار شمس الائمۃ[3] اھ

خراج، مقاتلہ کے نقصان کو پُورا کرنے کے لیے ہوتا ہے لہذا خراج انہی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہوگا جو لشکر کی حمایت کے تحت سیراب ہوں گی (آگے چل کر کہا) شمس الائمہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب فیمن یمر علی العاشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۷۸

[2] " باب العشر والخراج " " " ۵/۲۸۱

[3] العنایۃ مع فتح القدیر باب العشر والخراج " " " ۵/۲۸۰

اُسی کے اواخر باب زکوٰۃ الزروع میں ہے :

الخراج یجب حقا للمقاتلۃ فیختص وجوبہ بساحتہ المقاتلۃ۔[۱]

خراج حقِ مقاتلہ کے طور پر لازم ہوتا ہے لہذا یہ اسی کے ساتھ مخصوص رہے گا جو مقاتلہ کے تحت ہوگا۔ (ت)

یہ کلمات بظاہر سقوطِ خراج کی طرف ناظر مگر نظرِ دقیق حاکم کہ نفسِ وجوب ثابت وقائم، مطالبۂ سلطنت و وجوبِ دیانت میں فرق بعید ہے، بہت چیزیں ہیں کہ سلطان کو اُن کا مطالبہ نہیں پہنچتا اور شرعاً واجب ہے کزکوٰۃ الاموال الباطنۃ کما فی الدر وغیرہ عامۃ الاسفار وقد قال الشامی عن البحر وغیرہ فی مسئلۃ اسلام الحربی فی دار الحرب بعد العبارۃ المذکورۃ ونفتیہ باداۓھا ان کان عالما بوجوبھا والا فلا زکوٰۃ علیہ لان الخطاب لم یبلغہ وھو شرط الوجوب[۲] اھ

www.alahazratnetwork.org

جیسے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ، جیسا کہ در اور دیگر کتب میں ہے، شامی نے بحر وغیرہ کے حوالے سے دار الحرب میں کسی حربی کے اسلام لانے کے بارے میں گفتگو کرتے ہُوئے عبارت مذکورہ کے بعد کہا کہ اگر وُہ حربی مسلمان وجوب زکوٰۃ کا علم رکھتا ہے تو ہم اس کی ادائیگی کا فتوی دینگے ورنہ اس پر زکوٰۃ ہی نہیں کیونکہ اسے ایسا حکم ہی نہیں پہنچا جو وجوب کے لیے شرط ہے اھ (ت)

ولہذا صورت مذکورہ عدمِ تسلّط میں تصریح فرمائی کہ متغلبین اگر زکوٰۃ وعشر لے کر ان کے مصارف میں صرف نہ کریں تو اربابِ اموال پر اُن کا دوبارہ دینا واجب ہے اور خراج میں جو اعادے کی حاجت نہیں اس کا سبب یہ کہ وہ متغلبین خود بھی ایک اسلامی لشکر کی حیثیت سے اُس کے مصرف ہیں تو خراج اپنے محل کو پہنچ گیا فی الدر المختار اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکوٰۃ الاموال الظاھرۃ کالسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابھا ان صرف الماخوذ فی محلہ الاتی ذکرہ والا یصرف فیہ فعلیھم فیما بینھم وبین اللہ تعالٰی اعادۃ غیر الخراج لانھم مصارفہ۔[۳]

درمختار میں ہے اگر باغیوں اور ظالم حکمرانوں نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرلی مثلاً چارپایوں کی زکوٰۃ، یا عشر وخراج وصول کرلیا تو اب مالکوں سے دوبارہ نہیں لیا جائیگا (بشرطیکہ ان کی جگہ خرچ کیا گیا جن کا ذکر آرہا ہے) اور اگر وہاں خرچ نہیں کیا تو مالکوں پر بطور دیانت عشر وزکوٰۃ کا اعادہ لازم ہے خراج کا نہیں کیونکہ باغی لشکر خود خراج کا مصرف ہیں۔ (ت)

---

[۱] العنایۃ مع فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۹۷

[۲] رد المحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/۲۶

[۳] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۴

درمنتقی پھر طحطاوی علی الدر المختار میں ہے :

اما الخراج فلا یفتون باعادتہ لانھم مصارفہ اذا اھل البغی یقاتلون اھل الحرب و الخراج حق المقاتلۃ[1]۔

خراج دوبارہ لینے کا فتوی نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ اس کا مصرف ہیں کیونکہ اہلِ بغاوت نے اہلِ حرب کے ساتھ مقاتلہ کیا اور خراج مقاتلہ کا حق ہے (ت)

ہدایہ و بحر وغیرہما میں ہے :

افتوا بان یعیدوا دون الخراج لانھم مصارف الخرج لکونھم مقاتلۃ والزکوۃ مصرفھا الفقراء ولا یصرفونھا الیھم[2]۔

علماء نے فتوی دیا ہے کہ خراج کے علاوہ کا اعادہ ہوگا کیونکہ اہلِ بغاوت خراج کا مصرف ہیں اس لیے کہ یہ مقاتل ہیں اور زکوۃ کا مصرف فقراء ہیں لہذا ان پر خرچ نہیں کی جاسکتی۔ (ت)

www.alahazratnetwork.org

تو ثابت ہوا کہ تسلط و حمایت شرط مطالبہ سلطانی ہے نہ شرط نفس وجوب اور اس تعلیل نے کہ اعادہ خراج اس وجہ سے نہیں کہ وہ خود بھی مصرف ہیں واضح کردیا کہ اگر وہ مصرف نہ ہوں جیسے نامسلم قومیں تو خراج کا اعادہ بھی ضرور ہے مصرف خراج صرف لشکرِ اسلام نہیں بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین ہیں جن میں تعمیر مساجد و وظیفہ امام و مؤذن و بنائے پل وسرا و تنخواہ مدرسین علم دین و خبرگیری طلبۂ علوم دین و خدمت علمائے اہلِ حق حامیانِ دین مشغولین درس و وعظ و افتا وغیرہا امور دین سب داخل ہیں۔

فی رد المحتار تحت قول ابن الشحنۃ المار الذی فی الھدایۃ و عامۃ الکتب المعتبرۃ انہ یصرف فی مصالحنا کسد الثغور و بناء القناطیر والجسور وکفایۃ العلماء و القضاۃ والعمال و رزق المقاتلۃ و ذراریھم اھ ای ذراری الجمیع[3]۔

ردالمحتار میں ابن شحنہ کے گزشتہ قول جو ہدایہ اور اکثر کتب معتبرہ میں ہے، کے تحت یہ ہے، خراج ہمارے مصالح پر خرچ کیا جاسکتا ہے مثلاً دفاعی بند، پل، راستے، علماء، قضاۃ، علماء کی خدمت، مقاتلہ کرنے والے اور ان کی اولاد، یعنی مذکورہ تمام لوگوں کی اولاد پر خرچ کیا جاسکتا ہے (ت)

درمختار میں ہے :

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب زکوۃ الغنم دار المعرفۃ بیروت ۱/۴۰۴
[2] الہدایۃ کتاب الزکوۃ فصل فی مالا صدقۃ فیہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۷۳
[3] رد المحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/۶۳

مصرف الجزیة والخراج مصالحنا کسد ثغورنا وبناء قنطرة وجسر وکفایة العلماء والمتعلمین تجنیس، وبه یدخل طلبة العلم فتح، والقضاة والعمال ککتبة قضاة وشھود قسمة ورقباء سواحل ورزق المقاتلة وذراریھم ای ذراری من ذکر مسکین[1] (ملخصا)

جزیہ اور خراج کا مصرف ہمارے رفاہی کام ہیں مثلاً دفاعی معاملات، جیسے دارالاسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، سڑکوں اور پُلوں کا بنانا، علماء اور اساتذہ کو بطور کفالت دینا، تجنیس۔ اس میں طالب العلم بھی داخل ہیں، فتح۔ قضاۃ اور عمال، جیسے قاضیوں کے کاتب، ورثاء اور شرکاء کے درمیان تقسیم کے گواہ اور سواحلِ دریا کے نگہبان یعنی عشر لینے والے کذا فی الطحطاوی۔ مجاہدین کی روزی اور ان سب کی ذریت کی، یعنی جن کا ذکر اُوپر ہوا ان سب کی اولاد کی روزی. کذا فی شرح مسکین۔ (ملخصاً) (ت)

www.alahazratnetwork.org

ہدایہ میں ہے:

الخراج یصرف فی مصالح المسلمین و یعطی قضاة المسلمین وعمالھم وعلماؤھم منه ما یکفیھم لانه مال بیت المال وھو معد لمصالح المسلمین وھؤلاء عملتھم[2]

خراج مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہوگا، مسلمان قضاۃ، عمال، علماء کی ضروریات کو اس سے پُورا کیا جائے گا کیونکہ یہ بیت المال کا مال ہے اور بیت المال مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہوتا ہے، اور یہ لوگ مسلمانوں کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں۔ (ت)

فتح میں ہے:

زاد فی تجنیس المعلمین والمتعلمین وبھذا تدخل طلبة العلم[3] اھ الکل مختصرا۔

تجنیس المعلمین والمتعلمین میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے ساتھ طالب علم اس میں داخل ہوگئے اھ تمام عبارتوں میں اختصار ہے۔ (ت)

خود امام مذہب سیدنا امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الخراج میں خلیفہ ہارون رشید سے ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار — فصل فی الجزیۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۳۵۴
[2] الہدایۃ — فصل ونصارٰی بنی تغلب الخ — المکتبۃ العربیۃ کراچی — ۲/۵۷۹
[3] فتح القدیر — " — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ۵/۳۰۷

وسألت من ای وجه تجری علی القضاۃ و العمال الارزاق فاجعل (اعز اللہ امیر المؤمنین بطاعتہ) ما یجری علی القضاۃ والولاۃ من بیت مال المسلمین من جبایۃ الارض او من خراج الارض والجزیۃ لانھم فی عمل المسلمین فیجری علیھم من بیت مالھم ویجری علی والی کل مدینۃ وقاضیہا بقدر ما یحتمل، و کل من جعلتہ فی عمل المسلمین فاجر علیہ من بیت مالھم ولا تجر علی الولاۃ والقضاۃ من مال الصدقۃ شیئا الا والی الصدقۃ فانہ یجری علیہ منھا کما قال اللہ تبارک و تعالٰی والعاملین علیھا[1]۔

اے امیر المومنین! تُو نے یہ پُوچھا ہے کہ قضاۃ اور عمال کے وظائف کا معاملہ کیسے کیا جائے تو (اللہ تعالٰی امیر المومنین کو رعایا کی فرمانبرداری کے ذریعے عزت بخشے) قضاۃ اور عمال کو مسلمانوں کے بیت المال یعنی زمین کی ضمان، خراج اور جزیہ سے وظائف دئے جائیں کیونکہ وُہ مسلمانوں کے کام میں مصروف ہوتے ہیں، پس ان پر بیت المال سے خرچ کرو اور ہر شہر کے والی اور قاضی کے لیے اتنا وظیفہ جاری کرو جتنا وُہ کام کرتے ہیں، اور جو شخص مسلمانوں کے کام میں مقرر کرو اس پر بیت المال سے خرچ کرو، والیوں اور قاضیوں پر مال صدقہ سے خرچ نہ کرو، ہاں والی صدقہ پر کرسکتے ہو کیونکہ اس پر اس میں سے خرچ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے اور صدقات وصول کرنے والے کے لیے۔ (ت)

اور اگر بالفرض خاص لشکرِ اسلام ہی اس کا مصرف ہوتا تو بحمد اللہ تعالٰی وہ بھی جابجا موجود، اور اوپر معلوم ہوچکا کہ خاص یہاں ہونا ان بلاد کی حمایت کا شرط مطالبہ ہے نہ شرط وجوب، اور اشیائے سریعۃ الفساد پر خراج کا قیاس نہیں ہوسکتا، پھر وہاں بھی صرف مطالبہ منتفی ہے نہ وجوب، خود اسی مسئلہ میں تصریح ہے کہ عاشر اگرچہ اس سے عشر نہ لے گا مگر تاجر کو اس کے ادا کا حکم کرے گا۔

فی ردالمحتار عن الشرنبلالیۃ صورۃ المسألۃ ان یشتری بنصاب قرب مضی الحول علیہ شیئا من ھذہ الخضراوات للتجارۃ فتم علیہ الحول، فعندہ لایاخذ الزکوٰۃ لکن یامر المالک باداءھا

ردالمحتار میں شرنبلالیہ سے ہے صورت مسئولہ یُوں ہے کہ سال ختم ہونے کے قریب اگر کسی نے تجارت کے لیے نصاب کے عوض سبزیات خریدیں اور اس پر سال مکمل ہوا تو امام صاحب کے نزدیک اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی لیکن

[1] کتاب الخراج من ای وجہ تجری علی القضاۃ الخ مطبعۃ بولاق مصر ص ۲۰۲

www.alahazratnetwork.org

بنفسہ[1] الخ۔ مالک سے کہا جائیگا کہ خود ادا کردے۔ (ت)

ایجاب خراج میں لشکر اسلام کا حق اور اس کی حمایت پر تقرر معاوضہ ضرور منظور نظر شرع ہے مگر اس سے وجود حمایت کا شرط وجوب ہونا لازم نہیں، تصریحات ائمہ سے واضح ہولیا کہ خراج صرف انہی کے لیے مقرر نہ ہوا بلکہ جمیع مصالح عامہ اہل اسلام اس میں متساویۃ الاقدام، ہاں جہاں حمایت ہو ان کا بھی حق ضرور ہے اور جہاں اُن کا حق ہو وہی معاوضہ منظور رہے گا بالجملہ ادھر سے کلیہ ہے یعنی حیثما وجدت الحمایۃ وجبت الجبایۃ (جہاں حمایت ہوگی وہاں خراج لازم ہوگا۔ ت) اُدھر سے نہیں کہ حیث ماوجبت الجبایۃ وجدت الحمایۃ (جہاں خراج ہوگا وہاں حمایت ہوگی۔ ت) تاکہ اس کا عکس نقیض کیجئے کلما لم توجد الحمایۃ لم توجب الجبایۃ (جب حمایت نہ ہوگی تو خراج لازم نہ ہوگا۔ ت) فتح القدیر کی عبارت مذکور کا منشاء اسی قدر ہے البتہ عبارت عنایہ میں لفظ یختص موہم واقع ہوا ہے اور وہ قطعاً زاید بے حاجت محض بلکہ خلاف مقصود ہے،

وذلك لان محمدا رحمه الله صرح فی الزیادات ان المسلم لایبتدأ بتوظیف الخراج[2] ثم وقع بینهم الخلاف فیما اذا احیا مسلم مواتا فقال ابو یوسف تعتبر بحیزها ای بمایقرب منها فان کانت من حیز ارض الخراج فخراجیة او ارض العشر فعشریة لان القرب من اسباب الترجیح وقال محمد ان کان صفتها انها یصل الیها ماء الانهار فخراجیة او ماء عین و نحوه فعشریة کل ذلك فی الفتح[3] وقد لزم من هذا توظیف

یہ اس لیے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے زیادات میں تصریح کی ہے کہ مسلمان پر ابتداءً خراج نہیں آسکتا، پھران ائمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب کسی مسلمان نے غیر آباد زمین کو آباد کیا، امام ابو یوسف نے فرمایا اس کے قُرب کا اعتبار کیا جائیگا اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی، اگر عشری کے قریب ہے تو عشری، کیونکہ قرب اسبابِ ترجیح میں سے ہے۔ امام محمد نے فرمایا اگر اسے نہری پانی سیراب کرتا ہو تو خراجی، اور اگر چشمہ وغیرہ کا پانی ہو تو عشری۔ یہ تمام تفصیل فتح میں ہے بعض کے گمان کے مطابق اس سے مسلمان پر

---

[1] رد المحتار باب العاشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۷
[2] فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۸
[3] " باب العشر والخراج " ۵/ ۲۸۰

الخراج علی المسلم بدأ اذا اسقاھا بماء الخراج علی ماظن عہ۱ وھو خلاف نص الزیادات فاجیب عہ۲ بتقیید ما فی الزیادات بما اذا لم یکن منہ صنیع یستدعی ذٰلک وھو السقی بماء الخراج اما اذا وجد ذٰلک فھو دلالۃ التزامہ الخراج

ابتدائی طور پر خراج کا تقرر لازم آتا ہے جبکہ وُہ زمین خراجی پانی سے سیراب ہو رہی ہو حالانکہ یہ زیادات کی تصریح کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ زیادات کی عبارت میں اس قید کا اعتبار ہے کہ بشرطیکہ اس مسلمان سے کوئی ایسا عمل نہ پایا جاتا ہو جو خراج کا تقاضا کرتا ہو اور وہ عمل خراجی پانی سے سیرابی ہے، اور اگر ایسا ہے تو بطور التزام اس کا

عہ۱ منہ جماعۃ منھم الشیخ حسام الدین السغناقی فی النھایۃ ولیس کما ظنوا بل انما ھو انتقال ما تقرر فیہ الخراج بوظیفۃ الیہ وھو الماء فان فیہ وظیفۃ الخراج فاذا سقی بہ انتقل ھو بوظیفۃ الی ارض المسلم کما لو اشتری خراجیۃ وھذا لان المقاتلۃ ھم الذین حموا ھذا الماء فثبت حقھم فیہ وحقھم ھو الخراج فاذا اسقی بہ مسلم اخذ منہ حقھم کما ان ثبوت حقھم فی الارض اعنی خراجھا لحمایتھم ایاھا یوجب مثل ذٰلک، افادہ فی الفتح من باب زکوۃ الزروع ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

عہ۱ یہ گمان ایک جماعت نے کیا ہے جن میں سے شیخ حسام الدین سغناقی ہیں جنھوں نے نہایہ میں اظہار کیا ہے، جبکہ معاملہ وُہ نہیں جو انھوں نے گمان کیا ہے بلکہ یہ مسلمان کی طرف وظیفۂ خراج والی چیز کا انتقال ہے۔ اور وُہ پانی ہے کیونکہ اس میں خراج والا وظیفہ ہے۔ تو جب اس سے زمین سیراب ہوگی تو اس کا وظیفہ بھی مسلمان کی زمین پر لاگو ہوگا جیسا کہ کوئی خراجی زمین خریدے تو اس پر خراج آتا ہے یہ اس لیے کہ مقاتلہ وُہ لوگ ہیں جو اس پانی کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اس لیے اس پانی میں ان کا حق ثابت ہوگا جبکہ وُہ خراج ہے تو جب کوئی مسلمان اس پانی کو استعمال کرے گا تو اس سے پانی کا حق لیا جائیگا جس طرح خراجی زمینوں میں تحفظ فراہم کرنے پر مقاتلہ کا حق واجب ہوتا ہے، اس کا افادہ فتح کے باب زکوٰۃ الزروع سے حاصل ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

عہ۲ المجیب الامام شمس الائمۃ السرخسی کما فی الفتح ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عہ۲ جواب دینے والے شمس الائمہ سرخسی ہیں جیسا کہ فتح میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

www.alahazratnetwork.org

رضاہ بہ لان الخراج جزاء المقاتلۃ
علی حمایتھم فما سقی بما حموہ وجب فیہ[1]
ھذا ما فی الھدایۃ والفتح ولا حاجۃ فیہ
الی تخصیص الخراج بما حموہ اصلا
بحیث لم یوجد لم یجب انما الحاجۃ الی
استتباع حمایتھم ایجاب الخراج بحیث
اذا وجدت وجب لان المقصود اثبات
الوجوب لاجل ثبوت الحمایۃ فتکون الحمایۃ
ملزومۃ والخراج لازما لیستدل بوضع
المقدم علی وضع التالی واللازم لایجب
تساویہ اما اذا قلنا بان الخراج یختص
بالحمایۃ کان المعنی ھو انتفاءہ بانتفاءھا
فیکون اللازم ھو الحمایۃ فلا یصح الاستدلال
بوجودہ علی وجوب الخراج لان وضع
التالی لاینتج وضع المقدم فظھر ان
حدیث الخصوص لایوافق المقصود
فاذن التقریر الصحیح ما اشار الیہ فی
الھدایۃ وبینہ فی الفتح وانعم ایضاحہ
فی زکوتہ الزروع کما نقلنا نصہ انفا فی
المنھیۃ ۔

خراج پر راضی ہونا ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ خراج تو
حمایت پر مقاتلہ کا معاوضہ ہے اور جو حمایتی (خراجی)
پانی سے سیراب ہوگی اس میں خراج واجب ہوگا ۔
یہ ہدایہ اور فتح میں تھا ۔ یہاں خراج کو اس چیز کے
ساتھ مقید کرنے کی اصلاً ضرورت نہیں کہ یہ وہاں
ہوتا ہے جہاں حمایت ہو، اور جہاں حمایت نہ ہوگی
وہاں خراج کا وجوب نہ ہوگا ۔ یہ ضرورت تو ان کی
حمایت کی وجہ سے ایجاب خراج کے لیے ہے یعنی
جہاں حمایت ہوگی وہاں خراج کا وجوب ہوگا کیونکہ
مقصود ثبوت حمایت کی خاطر وجوب خراج کا اثبات
ہے تو اب حمایت ملزوم اور خراج لازم قرار پائے گا
تاکہ وضع مقدم سے وضع تالی پر استدلال کیا جاسکے
اور لازم کے لیے (ملزوم کے) مساوی ہونا ضروری
نہیں ہوتا لیکن جب ہم یہ کہیں گے کہ خراج حمایت
کے ساتھ مخصوص ہے، تو اب معنیٰ ہوگا کہ خراج کی
نفی سے حمایت کی نفی ہو تو اب اس صورت حمایت
کا لازم ہونا لازم آجائے گا تو اب وجود لازم (حمایت)
سے وجوب خراج پر استدلال درست نہ ہوگا
کیونکہ وضع تالی سے وضع مقدم پر نتیجہ نہیں ہوتی ۔
تو اب ظاہر ہوگیا کہ مخصوص کرنے والی بات مقصود
کے موافق نہیں، اب تقریر صحیح وہی ہے جس کی طرف ہدایہ میں اشارہ ہے اور فتح میں بیان ہوئی اور اس
کی وضاحت زکوۃ الزروع میں کی، جیسا کہ ہم نے ابھی منہیہ میں اس کی عبارت بطور نص نقل کی ہے (ت)

پھر اس اختصاص کو اپنے ظاہر اطلاق پر رکھئے تو قطعاً غلط و باطل ہے، جو زمینیں ہم نے

---

[1] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۱

www.alahazratnetwork.org

قہراً خواہ صلحاً فتح کیں اور ان کے اہل کو اُن پر برقرار رکھا یا قہراً فتح کرکے اور جگہ کے کافروں کو دے دیں اُن پر یقیناً خراج ہے اگرچہ انھیں آبِ عشری مثل باران وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہو۔ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہمارے ائمہ کا اجماعیہ ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

نحن نقطع ان الارض التی اقر اھلھا لوکانت تسقی بعین اوبماء السماء لم تکن الاخراجیۃ لان اھلھا کفار والکفار لوانتقلت الیھم ارض عشریۃ ومعلوم ان العشریۃ قد تسقی بعین اوبماء السماء لاتبقی علی العشریۃ بل تصیر خراجیۃ فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف خلافالمحمد فکیف یتبدأ الکافر بتوظیف العشر ثم کونہا عشریۃ عند محمد اذا انتقلت الیہ کذلک اما فی الابتداء فھو ایضا یمنعہ[1]۔

ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ جس زمین پر اس کے اہل برقرار رہے اگرچہ وہ چشمہ یا آسمانی پانی سے سیراب ہوتی ہو تو وہ خراجی ہی ہوگی کیونکہ اس کے مالک کافر ہیں اور کافر کی طرف اگرچہ عشری زمین منتقل ہو اور یہ بات معلوم ہو کہ اگر عشری زمین کو چشمہ یا آسمانی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے تو وہ عشری نہ رہے گی بلکہ وُہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے قول کے مطابق خراجی ہوجائے گی، ہاں امام محمد کا اس میں اختلاف ہے، تو اب کافر پر ابتدائی طور پر عشر کیسے مقرر کیا جاسکتا ہے، پھر امام محمد کے نزدیک جب عشری زمین کسی کافر کی طرف منتقل ہوگی تو وہ عشری ہی رہے لیکن ابتداءً وہ بھی کافر پر عشر سے منع کرتے ہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وقد اطال المحقق فی فتح القدیر فی تقریرہ ثم قال والحاصل ان التی فتحت عنوۃ ان اقر الکفار علیہا لایوظف علیہم الا الخراج ولوسقیت بماء المطر وان قسمت بین المسلمین لایوظف الا العشر وان سقیت بماء الانہار[2]۔

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں بڑی طویل گفتگو کرکے کہا کہ حاصل یہ ہے کہ جو زمینیں بطورِ غلبہ حاصل ہوں اگر کفار کو ہی ان پر قابض رکھا تو اب ان پر خراج ہی مقرر کیا جائیگا اگرچہ وہ بارش سے سیراب ہوتی ہوں، اور اگر وُہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردی گئیں تو ان پر عشر ہی مقرر کیا جائیگا اگرچہ وہ نہری پانی سے سیراب کی جاتی ہوں۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۸۰

[2] بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۵۰۱

امام محقق زیلعی نے تبیین الحقائق میں فرمایا:

هذا التفصیل فی حق المسلم اما الکافر فیجب علیه الخراج من ای ماء سقی لان الکافر لایبتدأ بالعشر فلا یأتی فیه التفصیل فی حالة الابتداء اجماعا۔[1]

یہ تفصیل حقِ مسلم میں ہے، رہا کافر کا معاملہ تو اس پر خراج ہوگا خواہ جو پانی بھی سیراب کرے کیونکہ کافر پر ابتداءً عشر نہیں ہوتا لہذا ابتداءً اس میں بالاتفاق تفریق وتفصیل نہیں ہوگی۔ (ت)

اسی طرح بحر الرائق و مجمع الانہر میں اس سے نقل کیا اور مقرر رکھا، ولہذا علامہ حلبی نے متن متین ملتقی الابحر میں اُن زمینوں کو خراجی ہونے کا مسئلہ مطلق رکھا ارض السواد خراجیة (سواد کی زمین خراجی ہے۔ ت) کے بعد فرمایا:

وکذا کل مافتح عنوة واقر اهلها علیه اوصولحوا سوی مکة۔[2]

اسی طرح ماسوائے مکّہ کے وہ زمین جو بطور غلبہ فتح ہوئی اور اس کے باشندوں کو وہاں قابض رکھا یا ان سے صلح کرلی گئی۔ (ت)

اور اصلاً خلاف کا ذکر نہ کیا حالانکہ انھیں التزام ہے کہ جس مسئلہ میں ائمہ ثلٰثہ مذہب سے کسی کا خلاف ہو ضرور نقل کریں گے۔

قال فی خطبته وصرحت بذکر الخلاف بین ائمتنا الخ۔[3]

علامہ حلبی نے خطبہ کتاب میں فرمایا ہمارے ائمہ کے درمیان اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہوگا تو میں اس کی تصریح کروں گا۔ (ت)

اسی طرح متن جلیل کنز میں مطلق فرمایا:

فتح عنوة واقر اهله علیه او فتح صلحا خراجیة۔[4]

وہ زمین جو بطور غلبہ حاصل ہوئی اور وہاں کے قابضین کو برقرار رکھا یا بطور صلح فتح ہوئی تو وہ خراجی ہوگی۔ (ت)

اور خلاف کی طرف باوصف التزام رمز ایمانہ کیا یُونہی جو زمین ذمی نے احیا کی بالاتفاق خراجی ہے اگرچہ

---

[1] تبیین الحقائق باب العشر والخراج الخ مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۳/ ۲۷۲
[2] ملتقی الابحر " " مؤسسة الرسالة بیروت ۱/ ۲۷۰
[3] " " خطبة الکتاب (مقدمة المؤلف) " " ۱/ ۱۰
[4] کنز الدقائق باب العشر والخراج والجزیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۱

پانی عشری دیا ہو، فتح القدیر وتبیین الحقائق وبحرالرائق وغیرہا میں ہے:

لو احیاھا ذمی کانت خراجیة سواء سقیت عند محمد بماء السماء ونحوہ اولا وسواء کانت عند ابی یوسف من حیز ارض الخراج او العشر[1] اھ فظھر ضعف ما انتحاہ فی العنایة تبعا للنھایة رکونا الی ظاھر نقل فی الھدایة علی خلاف نقل فی الغایة کما بینہ المحقق فی الفتح واللہ ولی الھدایة والفتح۔

اگر کسی ذمی نے زمین کو آباد کیا تو وُہ خراجی ہوگی خواہ آسمانی پانی وغیرہ سے سیراب ہو یا نہ ہو اور امام ابویوسف کے نزدیک خواہ خراجی کے قریب ہو یا عشری کے قریب اھ اس سے اس کا ضعف ظاہر ہوگیا جو عنایہ میں نہایہ کی اتباع کرتے ہُوئے میلان کیا ہے ہدایہ میں نقل ظاہر کی طرف اور وُہ نقل غایہ کے خلاف ہے جیسا کہ محقق نے فتح میں کیا، اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت اور فتح کا مالک ہے۔(ت)

www.alahazratnetwork.org

لاجرم خود عنایہ میں تصریح فرمائی کہ مسئلہ اعتبار آب مطلق نہیں، ہدایہ میں فرمایا تھا:

اذا کانت لمسلم دار خطة فجعلھا بستانا فعلیہ العشر معناہ اذا سقاھا بماء العشر واما اذا کانت تسقی بماء الخراج ففیھا الخراج لان المؤنة فی مثل ھذا تدور مع الماء[2]۔

جب بطور قبضہ کسی مسلمان کی خالی زمین پر گھر بنایا پھر اسے اس نے باغ بنادیا تو اس پر عشر ہوگا، اس کا معنی یہ ہے کہ جب وُہ عشری پانی سے سیراب ہوتا ہو اور جب وہ خراجی پانی سے سیراب ہو تو اس میں خراج ہوگا کیونکہ ایسی صورتوں میں عشر و خراج کا معاملہ پانی کے ساتھ ہے۔(ت)

اس پر عنایہ میں لکھا ہے:

معنی قولہ "فی مثل ھذا" الارض التی لم یتقرر امرہ علی عشر او خراج وھو احتراز عما اذا کانت لمسلم ارض تسقی بماء العشر وقد اشتراھا ذمی فان ماء ھا عشری وفیہ الخراج[3]۔

ماتن کے قول "فی مثل ھذا" سے مراد وہ زمین ہے جس کا معاملہ عشر و خراج کے اعتبار سے مستحکم نہ ہوا ہو، اس سے اس صورت سے احتراز ہو گیا جب کسی مسلمان کی ایسی زمین تھی جو عشری پانی سے سیراب ہوتی تھی اور اسے ذمی نے خرید لیا تو اب اس کا پانی عشری ہے لیکن اس میں خراج ہے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۱
[2] الہدایۃ باب زکوٰۃ الزروع والثمار المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۸۴
[3] العنایۃ مع فتح القدیر " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۷

دیکھو کیسی صاف تصریح ہے کہ خراج آبِ خراجی کے ساتھ خاص نہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ اب بھی اطلاق صحیح نہیں، مسئلہ احیائے ذمی وغیرہا کے متعلق تصریحات ابھی گزریں، ہاں امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اعتبارِ آب صرف اس صورت میں ہے جہاں مسلمان پر ابتداءً وظیفہ مقرر کرنا ہو جیسے اس نے اپنے گھر کو باغیچہ بنالیا یا مردہ زمین احیاء کی، محقق علی الاطلاق نے یُوں شرح فرمائی:

قوله الوظيفة فی مثله ای فيما هو ابتداء توظيف علی المسلم من هذا و من الارض التی احياها لا کل مالم يتقرر امره فی وظيفة کما فی النهاية بان الذمی لو جعل دارا خطة بستانا او احيا مواتا و رضخت له لشهوده القتال کان فيها الخراج وان سقاها بماء العشر عند ابی حنيفة رحمه الله تعالٰی۔[1]

ماتن کا قول "الوظیفۃ فی مثلہ" یعنی اس زمین کا جس کا ابتداءً مسلمان پر وظیفہ مقرر کرنا ہے اور جسے اس نے آباد کیا ہو نہ کہ ہر وہ زمین جس کا وظیفہ مستحکم نہ ہوا ہو جیسا کہ نہایہ میں ہے کیونکہ اگر ذمی نے قبضہ شدہ گھر کو باغ بنالیا یا زمین کو آباد کیا یا اسے جہاد میں شرکت کی وجہ سے بطور عطیہ ملی تو اس میں خراج ہوگا اگرچہ اسے اس نے ماءِ عشری سے سیراب کیا ہو امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک۔ (ت)

خود ہدایہ میں فرمایا:

ان جعلها (ای المجوسی داره) بستانا فعليه الخراج وان سقاها بماء العشر لتعذر ايجاب العشر اذ فيه معنی القربة فتعين الخراج وهو عقوبة تليق بحاله[2] اھ اقول و به ظهر سقوط ما فی العناية علی هذا القول من الهداية، ما نصه، القائل ان يقول اما ان يکون الاعتبار للماء او لحال من توضع عليه الوظيفة فان کان الاول وجب عليه العشر وان کان الثانی ناقض هذا

اگر (مجوسی نے اپنے دار کو) باغ بنادیا تو اس پر خراج ہے اگرچہ اسے عشری پانی سے سیراب کیا ہو کیونکہ یہاں وجوبِ عشر متعذر ہے اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو ہے لہذا خراج متعین ہوگا جو بطور عقوبت مجوسی کے حال کے مناسب ہے **اقول** اس سے عنایہ کے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر ہوگیا جو ہدایہ کے قول پر ان الفاظ میں کیا کہ معترض کہہ سکتا ہے کہ یہاں اعتبار پانی کا یا اس شخص کا ہے جس پر عشر و خراج لازم کرنا ہے، اگر پانی کا اعتبار ہے تو مجوسی پر عشر لازم آئے گا اور اگر شخص مکلّف کا اعتبار ہو تو اس کا

[1] فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۸

[2] الہدایۃ " " " المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۸۴

قولہ (لان المؤنۃ فی مثل ھذا تدور مع الماء) (ووجب علی المسلم العشر اذا سقی ارضہ بماء الخراج[1] اھ وجہ السقوط ان الکلام ھٰھنا فی الذمی وما مر من دوران المؤنۃ مع الماء انما کان فیما فیہ ابتداء التوظیف علی المسلم فلا مساغ للتناقض اصلا و ولاحاجۃ الٰی تجشم الجواب بما قال ان الاعتبار للماء ولکن قبول المحل شرطا لوجوب الحکم والکافر لیس بمحل لایجاب العشر علیہ لکونہ عبادۃ[2] الخ وکیف ماکان فمقصودنا حاصل و ھو بطلان تخصیص الخراج بالماء الخراجی اما مطلقا واما فیما لم یتقرر امرھا علی وظیفۃ نعم ھو صحیح عند صاحب المذھب فیما فیہ بدء التوظیف علی مسلم فقط۔

اس قول سے تضاد لازم آئے گا کہ "ایسی صورت میں وظیفہ کے تعین کے لیے پانی کا اعتبار کیا جاتا ہے" "اور مسلمان پر عشر لازم ہوتا ہے جب وہ اپنی زمین کو خراجی پانی سے سیراب کرتا ہو" اھ وجہ سقوط یہ ہے کہ یہاں گفتگو ذمی میں ہو رہی ہے، اور جو گزرا ہے کہ تعین وظیفہ میں پانی کا اعتبار ہے، وہ اس صورت میں ہے جب ابتداءً کسی مسلمان پر وظیفہ کا تعین کرنا ہو تو یہاں تناقض کا ثبوت ہی نہیں ہوا لہذا یہ کہہ کر جواب میں تکلف کی ضرورت نہیں کہ اعتبار تو پانی کا ہی ہوتا ہے مگر وجوب حکم کے لیے محل کا قبول کرنا شرط ہے اور کافر ایجاب عشر کا محل نہیں کیونکہ عشر ادا کرنا عبادت ہے الخ بہرحال ہمارا مقصد حاصل ہے وہ یہ کہ خراجی پانی کے ساتھ خراج کو مخصوص کرنے کا بطلان ہے، یا تو ہر حال میں یا اس صورت میں جب زمین پر کسی وظیفہ کا تقرر نہ ہوا ہو، ہاں یہ صاحب مذہب کے نزدیک اس وقت فقط صحیح ہے جب کسی مسلمان پر ابتداءً وظیفہ کا تقرر کرنا ہو۔ (ت)

پھر مفتی بہ یہ ہے کہ یہاں بھی پانی کا اعتبار نہیں بلکہ قرب دیکھیں گے اگر زمین خراجی سے نزدیک ہے خراج ہوگا اگرچہ آب عشری دیا ہو، اور عشری سے تو عشر اگرچہ پانی خراج کا ہو۔ تنویر میں ہے:

لو احیاہ مسلم اعتبر قربہ[3]۔

اگر کسی مسلمان نے زمین کو آباد کیا تو وہاں اس کے قریب زمین کا اعتبار کیا جائیگا۔ (ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۸

[2] " " " " " " " " "

[3] تنویر الابصار متن درمختار باب العشر والخراج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۹

ردالمحتار میں ہے :

هذا عند ابی یوسف واعتبر محمد الماء فان احیاها بماء الخراج فخراجیة والا فعشریة بحر و بالاول یفتی در منتقی۔[1]

یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے، امام محمد نے پانی کا اعتبار کیا ہے، اگر مسلمان نے زمین خراجی پانی سے آباد کی ہے تو وُہ خراجی ہوگی ورنہ عشری، بحر۔ فتوٰی پہلے قول پر ہے، در منتقی۔ (ت)

اُسی میں ہے :

وهو ما مشی علیه المصنف اولا کالکنز وغیرہ وقدمه فی متن الملتقی فافاد بترجیحه علی قول محمد وقال ح وهو المختار کما فی الحموی علی الکنز عن شرح قراحصاری وعلیه المتون۔[2]

یہی وُہ ہے جس پر پہلے مصنف چلے مثلاً کنز وغیرہ۔ اور ملتقی کے متن میں اسے مقدم کیا ہے، یہ اس بات کو مفید ہے کہ انھوں نے اسے امام محمد کے قول پر ترجیح دی ہے اور ح نے کہا کہ یہی مختار ہے جیسا کہ حموی علی الکنز میں شرح قراحصاری کے حوالے سے ہے، اور متون اسی پر ہیں۔ (ت)

معہذا اگر تخصیص مان بھی لیجئے تو لشکرِ اسلام کا یدِ قبضہ پانی پر وارد ہونا ابتداءً اس کی خراجیت کا مفید ہوچکا، بقاءً بھی خراجیت، بقاء ید پر موقوف رہنے کی کیا دلیل ہے، اور ظاہر کہ ہمارا کلام بقاء میں ہے،

الا تری ان الخراج یجب عقوبة علی الکفر ثم لا یحتاج فی بقائه حتی لو اسلموا لم یسقط الخراج عن اراضیهم کما نصوا علیه قاطبة۔

آپ جانتے ہیں کہ خراج کفر کی سزا کے طور پر واجب ہوتا ہے پھر اپنی بقاء میں اس کا محتاج نہیں حتی کہ اگر کافر مسلمان ہوگئے تو ان کی زمینوں سے خراج ساقط نہ ہوگا جیسا کہ اس پر فقہاء نے قطعی تصریح کی ہے (ت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے یہاں کی اُن زمینوں سے جن کا خراجی ہونا بہ ثبوت شرعی ثابت ہولیا بلا وجہ شرعی وجوب خراج کا اُٹھ جانا ثابت نہیں ہوتا اور کیونکر ثابت ہو حالانکہ خراج کے لیے سبب وجوب ارض نامیہ ہے اور وہ حاصل تو وجوب بھی حاصل، ہدایہ مسئلہ عدم اجتماع عشر و خراج میں فرمایا :

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج الخ مصطفی البابی مصر ۲۸۴/۳
[2] ایضاً

سبب الحقین واحد وھو الارض النامیۃ الا انہ یعتبر فی العشر تحقیقا و فی الخراج تقدیرا ولھذا یضافان الی الارض[1]

دونوں حقوق (عشر وخراج) کا سبب ایک ہے اور وُہ ارض نامی ہے، ہاں عشر میں اس کا نامی ہونا عملاً اور خراج میں بالفرض ہے، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کی نسبت زمین کی طرف ہوتی ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

قال الشافعی یجمع بینھما لان سبب العشر الارض النامیۃ بالخارج تحقیقا وسبب الخراج الارض النامیۃ بہ تقدیرا وقد تحقق سبب کل منھما ولا منافاۃ بین الحقین فیجبان ولنا ان تعدد الحکم واتحادہ بتعدد السبب واتحادہ وسبب کل من الخراج والعشر الارض النامیۃ ولھذا یضافان الیھا فیقال خراج الارض وعشر الارض والاضافۃ دلیل السببیۃ وکون الارض مع النماء التقدیری غیر الارض مع التحقیقی مخالفۃ اعتباریۃ لاحقیقۃ فالارض النامیۃ ھی السبب واذا اتحد السبب اتحد الحکم[2] اھ ملتقطا

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو جمع کیا جاسکتا ہے کہ عشر کا سبب ارض نامی سے عملاً پیداوار اور خراج کا سبب ارض نامی سے پیداوار کا امکان ہے اور یہاں دونوں کا سبب متحقق ہے اور دونوں کے حقوق میں منافات بھی نہیں لہذا دونوں واجب ہوں گے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا متعدد اور واحد ہونا سبب کے متعدد اور واحد ہونے پر موقوف ہے، خراج وعشر کا سبب ارض نامی ہے اسی لیے زمین کی طرف ان کی نسبت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے، زمین کا خراج، زمین کا عشر اور کسی کی طرف اضافت اس کے سبب ہونے پر دلیل ہے۔ زمین کا امکانی نمو پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کا ایسی زمین کا غیر ہونا جو واقعۃً نمو پر مشتمل ہے، یہ اعتباری طور پر ہے، یہاں حقیقۃً مخالفت نہیں تو ارض نامی ہی سبب قرار پائے گی، توجب سبب ایک ہے تو حکم بھی ایک ہی ہوگا اھ اختصاراً (ت)

ہنوز بعض وجوہ اور ذہنِ فقیر میں ہیں کہ بخوفِ اطالت ترک کیں وفیما ذکرنا کفایۃ واللہ ولی الھدایۃ (ہم نے جو ذکر کیا یہ کافی ہے اللہ تعالٰی ہی ہدایت کا مالک ہے۔ ت)، کتے دیں، اس کا

---

[1] الھدایۃ باب العشر والخراج الخ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۵۷۳

[2] فتح القدیر " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۸۶-۸۷

www.alahazratnetwork.org

جواب، بیانِ سابق سے واضح ہولیا کہ اس کے بہت مصارف مثل مساجد و مدارس و طلبہ و علما یہاں موجود ہیں اُن پر صرف کریں اور اگر بالفرض لشکر ہی اُس کا مصرف ہوتا اور عساکرِ اسلامیہ سے کسی تک پہنچانے پر قدرت نہ ملتی جب بھی سقوط کے کوئی معنی نہ تھے، خراج ذمہ مکلف پر واجب ہوتا ہے۔ عنایہ میں ہے،

الخراج فی ذمۃ المالك والعشر فی الخارج[1]۔

خراج مالک کے ذمّہ ہے اور عشر پیداوار پر ہوتا ہے۔ (ت)

فتح میں ہے،

العشر فی الخارج والخراج فی الذمۃ[2]۔

عشر، پیداوار پر ہے اور خراج مالک کے ذمہ ہوتا ہے۔ (ت)

www.alahazratnetwork.org

اور وہ ایک حق ثابت معروف مثل ملک و دین ہے

حتی لا یحل لصاحب ارض خراجیۃ اکل غلتھا قبل اداء خراجھا[3] کما فی التنویر ای فی خراج المقاسمۃ فکانہ کان مالا مشترکا، وللامام حبس الخارج للخراج[4] کما فی الدر ای فی الخراج الموظف وقد قال فی الھدایۃ الرھن والکفالۃ جائزان فی الخراج لانہ دین مطالب بہ ممکن الاستیفاء فیمکن ترتیب موجب العقد علیہ فیھما[5]۔

حتی کہ خراجی زمین کے مالک کے لیے خراج کی ادائیگی سے پہلے اس کا غلّہ کھانا حلال نہیں، جیساکہ تنویر یعنی خراج مقاسمہ میں ہے، گویا یہ مال مشترک ہے اور حاکم کو خراج لینے کے لیے پیداوار کا روک لینا جائز ہے جیساکہ دُر میں ہے یعنی خراج موظف میں ہے، ہدایہ میں ہے رہن اور کفالہ خراج میں دونوں جائز ہیں کیونکہ یہ ایسا دین ہے جس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور اس کا حصول بھی ممکن ہوتا ہے لہذا تقاضائے عقد کا ان دونوں پر مرتب ہونا ممکن ہوگا۔ (ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۶
[2] فتح القدیر " " " "
[3] تنویر الابصار متن درمختار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹
[4] درمختار " " " "
[5] الھدایۃ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۶

اور ذمہ دین سے مشغول ہو تو بے ادا یا ابرا صرف اس بنا پر کہ مستحق نہ رہا ساقط نہ ہوگا بلکہ اُس کے ورثہ کو دیں گے، وُہ بھی نہ رہیں تو فقراء کو دے کر براءت ذمہ کریں گے خراج میں اصالۃً حق فقراء نہ ہونا ضرورۃً انھیں دئے جانے کے منافی نہیں کما فی سائرالدیون (جیسا کہ تمام دیون میں ہے ۔ ت) **کیا دیں**

خراج دو۲ قسم ہے : خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہ پیداوار کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس مقرر ہو اور خراج موظف کہ ایک مقدار معین ذمے پر لازم کر دی جائے خواہ روپیہ، مثلاً سالانہ دو۲ روپے بیگھہ اور کچھ جیسے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غلے کی ہر جریب پر ایک صاع غلہ اور ایک درہم مقرر فرمایا، ظاہر یہ ہے کہ ان بلاد کا خراج موظف ہی تھا، بیت المال میں روپیہ ہی لیا جاتا نہ کہ غلہ، میوہ، ترکاری وغیرہ ۔ بلکہ مدتوں سے عامہ بلاد میں سلاطین کا یہی داب معلوم ہوتا ہے، ہدایہ میں فرمایا :

وفی دیارنا وظفوا الدراھم فی الاراضی کلھا وترک کذٰلک لان التقدیر یجب ان یکون بقدر الطاقۃ من ای شیئ کان[1]۔

ہمارے علاقہ میں تمام زمینوں پر دراہم کا تقرر کیا جاتا ہے، اور ترکوں کے ہاں بھی یہی ہے کیونکہ بقدرِ طاقت مقدار مقرر کرنا ضروری ہے چاہے وہ جنس سے ہی ہو ۔ (ت)

تو ظاہراً یہاں کا خراج موظف ہی سمجھنا چاہئے مگر جس زمین کی نسبت ثابت ہو کہ زمان سلطنت اسلام صلی اللہ تعالٰی عہدہا میں اُس پر خراج مقاسمہ تھا، خراج موظف بالاتفاق مالک زمین پر ہے اور خراج مقاسمہ صاحبین کے نزدیک مزارع پر امام کے نزدیک زمیندار پر کما فی الدر والشامیۃ (جیسا کہ در اور شامیہ میں ہے ۔ ت) **کتنا دیں**، اگر مقدار معلوم ہو کہ زمانہ سلطنت اسلام میں صلی اللہ تعالٰی عہدہا کیا مقرر تھا، جب تو ظاہر ہے کہ اُسی قدر دیں دو۲ شرط سے، اولاً خراج موظف میں جہاں جہاں مقدار مقرر فرمودہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ منقول ہے وہاں اس پر زیادت نہ ہو کہ مذہب صحیح میں اس پر اضافہ کسی سلطان کو نہیں پہنچتا، زائد ہو تو زیادت نہ دیں اور جہاں کوئی مقدار امیر المومنین سے منقول نہیں وہاں اور خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو کہ خلافِ انصاف ہے، زائد ہو تو نصف ہی دیں ۔ ثانیاً اُتنے کی ادا اس زمین سے اب بھی ممکن ہو ورنہ بلحاظِ طاقت دیں۔

فی التنویر التنصیف عین الانصاف فلا یزاد علیہ[2] اھ فی ردالمحتار لایزاد علیہ فیہ ولا ف

تنویر میں ہے نصف دینا عین انصاف ہے لہذا اس پر اضافہ نہ کیا جائے اھ ردالمحتار میں ہے اس میں اضافہ

---

[1] الہدایہ باب العشر والخراج المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۷
[2] تنویر الابصار متن درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۹

خراج المقاسمۃ ولا فی الموظف[1] اھ فی الدر المختار ولا فی الموظف علی مقدار ما وظفہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ[2] اھ فی التنویر وینقص ماوظف ان لم تطلق[3] اھ فی رد المحتار قال فی النھر لایزید علی النصف وینبغی ان لاینقص عن الخمس قالہ الحدادی[4] اھ وکان عدم التنقیص عن الخمس غیر منقول فذکرہ الحدادی بحثا لکن قال الخیر الرملی یجب ان یحمل علی ما اذا کانت تطیق فلو کانت قلیلۃ الریع کثیرۃ المؤن ینقص اذ یجب ان یتفاوت الواجب لتفاوت المؤنۃ کما فی ارض العشر[5] اھ مختصرات۔

نہ کیا جائے اور نہ ہی خراج مقاسمہ اور خراج موظف میں اھ درمختار میں ہے اور نہ ہی خراج موظف میں اس مقدار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقرر کی ہے اھ تنویر میں ہے اگر طاقت نہ ہو تو مقررہ میں کمی کی جاسکتی ہے اھ ردالمحتار میں ہے کہ نہر میں ہے کہ نصف سے زیادہ نہیں کیا جاسکتا، حدادی نے کہا مناسب ہے خمس سے کم نہ کیا جائے اھ اور خمس سے کم نہ کرنا منقول نہیں تو حدادی نے اسے بطور بحث ذکر کیا ہے۔ لیکن خیر رملی نے کہا ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جب وہ زمین طاقت رکھتی ہو، اور اگر رقبہ کم ہو مگر اخراجات اس کے زیادہ ہوں تو پھر کم کیا جاسکتا ہے کیونکہ اخراجات کے تفاوت کی وجہ سے واجب میں تفاوت ضروری ہوتا ہے جیسا کہ عشری زمین میں ہے اھ مختصراً (ت)

اور اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا معین تھا تو ظاہراً خراج مقاسمہ و خراج موظف غیر مقرر امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں نصف دیں اور مقررات امیر المؤمنین میں اُسی کا لحاظ رکھیں، غرض ہر جگہ پوری مقدار دیں جس سے زیادت جائز نہ تھی۔

لان التنقیص انما کان یثبت بنقص الامام ولم یثبت فلم یثبت فکان الاستقصار فیہ فراغ الذمۃ یقینا فکان الاحوط ھذا کلہ

کیونکہ کمی امام کے کرنے سے ہوگی اور جب وہ ثابت نہیں تو وظیفہ میں کمی بھی ثابت نہ ہوگی تو یہاں یقینی فراغ ذمہ کے لیے مقرر پر اکتفاء ہوگا تو یہی احوط ہوگا، اوّل سے

---

[1] ردالمحتار	باب العشر والخراج الخ	مصطفی البابی مصر	۳/۲۸۶
[2] دُرمختار	"	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۳۴۹
[3] تنویر الابصار متن درمختار	"	"	"
[4] ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۳/۳۸۶
[5] "	"	"	۳/۳۸۷

من اول الکلام الیٰ ھنا مما اخذہ الفقیر تفقھا و ارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالیٰ فان اصبت فمن اللہ وحدہ وانا احمد اللہ علیہ وان اخطأت فمنی و من الشیطان وانا ابرؤ الی اللہ منہ و لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

لے کر یہاں تک یہ گفتگو فقیر نے بطور تفقہ کی ہے اور میں امید کرتا ہُوں کہ ان شاء اللہ یہ صواب ہوگی' اگر تو میں درست ہُوا تو اللہ وحدہٗ کی طرف سے ہے اور میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتا ہُوں، اور اگر یہ غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور میں اس سے برأت کا اعلان کرتے ہُوئے اپنے اللہ کے دامن میں آتا ہُوں ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (ت)

وظیفہ مقررہ فی جریب مثلاً یہ ہے ہر قسم غلے پراُسی سے ایک صاع اور ایک درہم اور کھطاب یعنی خربوزے تربوز کی پالیزوں، کھیرے ککڑی بینگن وامثالہا کی باڑیوں پر پانچ درہم انگور و خرما کے گھنے باغوں پر' جن کے اندر زراعت نہ ہوسکے۔ دس درہم ان کے ماورا میں وہی تقدیر طاقت ہے جس کی انتہا نصف تک پھران اقسام میں حیثیت زمین وقدرت کا اعتبار ہے جو زمین جس چیز کے بونے کی لیاقت رکھتی ہو اور یہ شخص اس پر قادر ہو اُس کے اعتبار سے خراج ادا کرے مثلاً انگور بوسکتا ہے تو اُنھیں کا خراج دے اگرچہ گیہوں بوئے ہوں، اور گیہوں کے قابل ہے تو اس کا خراج دے، اگرچہ جو بوئے ہوں ہر حال میں خراج سال بھر میں ایک ہی بار لیا جائے گا اگرچہ سال میں چار بار زراعت کرے یا باوصف قدرت بالکل معطل رکھ چھوڑے اور یہ جریب انگریزی گز سے کہ ان بلاد میں رائج ہے (جس کی مقدار ۱۶ سولہ گرہ ہے ہر گرہ ۳ تین انگل) پینتیس گز مسطح ہے یعنی ۳۵ گز طول ۳۵ گز عرض' اور صاع دو سو ستر تولے ہے یعنی انگریزی روپیہ سے ۲۸۸ دو سو اٹھاسی روپیہ بھر کہ رامپور کے سیر سے پورے تین سیر ہُوئے اور دس درہم کے عہ ۱۲/ ۹ $\frac{۳}{۵}$ پائی یعنی دو روپے پونے تیرہ آنے اور پانچواں حصہ پیسے کا پانچ درم کے عہ ۶/ ۴ $\frac{۴}{۵}$ پائی ایک درم کے ۴/ ۵ $\frac{۱۹}{۲۵}$ پائی یعنی $\frac{۶}{۲۵}$ پائی کم ساڑھے چار آنے۔

فی الدرالمختار وضع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکل جریب ھو ستون ذراعا فی ستین بذراع کسری (سبع قبضات) صاعا من بر او شعیر (والصحیح انہ مما یزرع فی تلک الارض کما فی الکافی شرنبلالیۃ و مثلہ فی البحر) و درھما من اجود

درمختار میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر جریب میں ایک صاع گندم یا جَو مقرر فرمائے اور جریب طولاً عرضاً ساٹھ ذراع کا ہوتا اور ہر ذراع سات مٹھیوں کا ہوتا ہے اور صحیح یہ ہے اس زمین سے جو کچھ پیدا ہو رہا ہے اسی سے وظیفہ ادا کیا جائیگا جیسا کہ کافی، شرنبلالیہ میں اور اسی کی مثل بحر میں ہے

النقود (وزن سبعة كما في الزكوٰة بحر)
ولجريب الرطبة (وهي القثاء والخيار
والبطيخ والباذنجان وما جرى مجراه)
خمسة دراهم ولجريب الكرم او
النخل متصلة (قيد فيهما) ضعفها وما
ليس فيه توظيف عمر كزعفران وبستان
فيها اشجار متفرقة يمكن الزرع
تحتها طاقته وغاية الطاقة نصف
الخارج لان التنصيف عين الانصاف [1] اھ
مختصرا مزيدا ما بين الاھلة
من رد المحتار وفي الدر
لو زرع الاخس قادرا على الاعلى
كزعفران فعليه خراج الاعلى
وھذا يعلم ولا يفتى به كيلا يتجرئ
الظلمة [2] في رد المحتار عن العناية
رد بانه كيف يجوز الكتمان وانھم
لو اخذوا كان في موضعه لكونه واجبا
واجيب بانا لو افتينا بذلك
لادعى كل ظالم في ارض
ليس شانها ذلك انها
قبل ھذا كانت تزرع
الزعفران فياخذ خراج

اور نقود میں سے ایک درہم لازم ہوگا جس کا وزن
سات مثقال ہو جیسا کہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے، بحر)
اور سبزیات (اور وُہ کھیرے، تر، خربوزے، بینگن اور
ایسی دیگر اشیاء) کی جریب میں پانچ دراہم، انگور اور
خرما کے گھنے باغوں (یہ قید دونوں کے لیے ہے) میں
دس درہم ہے اور جس میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالٰی
عنہ نے کوئی وظیفہ مقرر نہیں فرمایا مثلاً زعفران، اور
وُہ باغ جس میں متفرق درخت ہوں اور وہاں کاشت
کرنا ممکن ہو تو طاقت کے مطابق وظیفہ ہوگا اور انتہائے
طاقت نصف پیداوار ہے کیونکہ نصف ادا کرنا
عین انصاف ہے اھ مختصراً، ہاں توسین کے اندر
ردالمحتار سے اضافہ میری طرف سے کیا گیا ہے اور
در میں ہے کہ اگر کسی نے اعلٰی پر قادر ہوتے ہوئے
ادنٰی کو کاشت کیا مثلاً زعفران، تو اس پر اعلٰی کا
خراج ہوگا، یہ جان تو لیا جائے مگر اس پر فتوٰی نہ دیا جائے
تاکہ ظالم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ ردالمحتار میں
عنایہ کے حوالے سے یہ رد کیا گیا ہے کہ ایسی بات کا
چھپانا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور اگر ظالم لیتے ہیں تو
وُہ ٹھیک کرتے ہیں کیونکہ وُہ واجب ہے، اس کا
جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ہم اس پر فتوٰی دیتے ہیں
تو ظالم ہر زمین کے بارے میں یہ دعوٰی کرے گا کہ
اس سے پہلے اس میں زعفران بویا جاتا تھا اگرچہ

---

[1] درمختار باب العشر والخراج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۹
ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۳/۸۶-۲۸۵
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۰

www.alahazratnetwork.org

16 ذٰلك وھو ظلم وعدوان[1] اھ واللفظ للفتح قالوا لا یفتی بھذا لما فیہ تسلط الظلمۃ علی اموال المسلمین اذ یدعی کل ظالم ان ارضہ تصلح لزراعۃ الزعفران ونحوہ وعلاجہ صعب[2] اھ قلت والذی یؤدی بنفسہ ولاجابی کما فی بلادنا فلا یخشی ذلک فلذا اعولت علی ماھناک وفی الھدایۃ ان غلب علی ارض الخراج الماء وانقطع الماء عنھا او اصطلم الزرع آفۃ فلا خراج علیہ، وان عطلھا صاحبھا فعلیہ الخراج، ولایتکرر الخراج بتکرر الخارج فی سنۃ[3] اھ بالالتقاط، واللہ سبحانہ وتعالٰی۔

وہ ایسی نہ ہو تو وہ اس سے خراج وصول کرے گا اور یہ ظلم و زیادتی ہوگی اھ فتح کی عبارت یہ ہے کہ فقہائے فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ فتوٰی نہیں دیا جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کے مال پر ظالموں کو مسلط کرنا لازم آئے گا اور ہر ظالم یہ دعوٰی کرے گا کہ یہ زمین کاشت زعفران وغیرہ کے قابل تھی اور اس کا حل مشکل ہے اھ میں نے کہا جو شخص خود بخود ادا کرے اور وصول کرنیوالا نہ ہو، جیسا کہ ہمارے علاقے میں ہے اس میں ایسا کوئی خوف و خدشہ نہیں اس لیے یہاں اسی پر اعتماد کیا جائیگا' ہدایہ میں ہے کہ اگر خراجی زمین پر پانی کا غلبہ ہوگیا یا اس سے پانی منقطع ہوگیا یا کسی آفت نے فصل ختم کر دی تو اس پر خراج نہ ہوگا اور اگر مالک نے زمین کو معطل رکھا ـــــــ تو اس پر خراج ہوگا، ایک سال میں دوبارہ پیداوار پر خراج نہ ہوگا اھ اختصاراً، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ازموضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

زید دریافت کرتا ہے کہ آم کی بہار میں کس صورت سے دسواں حصہ نکال کے فروخت کرسکتا ہے جس سے فروخت خبیث نہ ہو۔

الجواب

بہار اس وقت بیچنی چاہیے جب پھل ظاہر ہوجائیں اور کسی کام کے قابل ہوں، اس سے پہلے بیع جائز نہیں اور اس وقت اُس میں عشر واجب ہوتا ہے پھل اپنی حد کو پہنچ جائیں کہ اب کچے اور ناتمام ہونے کے باعث ان کے بگڑ جانے، سُوکھ جانے، مارے جانے کا اندیشہ نہ رہے اگرچہ ابھی توڑنے کے قابل نہ ہُوئے ہوں، یہ حالت جس کی ملک میں پیدا ہوگی اُسی پر عشر ہے، بائع کے پاس پھل ایسے ہوگئے تھے اُس کے بعد بیچے تو عشر بائع پر ہے، اور جو اس حالت

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۹
[2] فتح القدیر 〃 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۵
[3] الھدایۃ 〃 المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۷۳

www.alahazratnetwork.org

16
16

تک پہنچنے سے پہلے کچے بیچ ڈالے اور اس حالت پر مشتری کے پاس پہنچے تو عشر مشتری پر ہے بعینہٖ یہی حکم کھیتی کا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

جانوروں کی زکوٰۃ

مسئلہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانوران حسب ذیل پر جو کہ بغرض کاشتکاری ہیں اور تجارت کی غرض سے نہیں ہیں اور سال میں زیادہ حصہ جنگل میں چرتے ہیں اُن پر زکوٰۃ دینی چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

تفصیل: بیل ۱۸، گائے ۲۱، بچہ گائے ۲ سال کے ۱۳، بچہ اندر ایک سال ۳، بھینس ۲، بھینس نر اندر دو سال ۲، بچہ بھینس کم از ایک سال ۲، بھینسے ۶ ۔ کل ۶۷ راس۔

www.alahazratnetwork.org

الجواب

اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ نر خواہ مادہ خواہ دونوں مختلط، جبکہ قدر نصاب ہوں (کہ اونٹ میں پانچ، گائے بھینس میں تیس، بھیڑ بکری میں چالیس ہے) اور بونے جوتنے لادنے، کھانے کے لیے نہ رکھے گئے ہوں بلکہ تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ صرف دودھ یا نسل یا قیمت بڑھنے کے لیے پالے جاتے یا شوقیہ پرورش و فربہی کے واسطے ہوں اور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چھوٹے ہوئے چرنے پر اکتفا کرتے ہوں اور اُن پر سال پورا گزرے اور تمامی سال کے وقت وہ سب جانور ایک نوع کے یعنی سب اونٹ یا سب گائے بھینس یا سب بھیڑ بکری ایک سال سے کم کے نہ ہوں بلکہ اُن میں کوئی ایک سال کامل کا بھی ہو اگرچہ ایک ہی ہو تو ان پانچوں باتوں کے اجتماع سے ان کی زکوٰۃ دینی فرض ہوگی ورنہ نہیں۔ زکوٰۃ میں گائے بھینس ایک ہی نوع ہیں اور ان کا حساب زکوٰۃ یہ ہے کہ تیس سے کم پر کچھ نہیں، تیس پر ایک بچہ دو سال کامل کا، پھر انسٹھ تک یہی واجب رہے گا، ساٹھ پر کہ دو تیس کا مجموعہ ہے انہتر تک دو بچے ایک سالہ، ستر پر کہ ایک تیس اور ایک چالیس کا مجموعہ ہے، اُناسی تک ایک بچہ یک سالہ ایک دو سالہ، اسّی پر کہ دو چالیس ہیں نواسی تک دو بچے دو سالہ، نوّے پر کہ تین تیس ہیں ننانوے تک تین بچے یک سالہ، سَو پر کہ دو تیس اور ایک چالیس ہے ایک سو نو تک دو بچے یک سالہ ایک دو سالہ، ایک سو دس پر کہ ایک تیس دو چالیس ہے ایک سو انیس تک ایک بچہ یک سالہ، ایک سو بیس پر کہ چاہے چار تیس سمجھ لو چاہے تین چالیس ایک سو انتیس تک چاہے چار بچے یک سالہ دے چاہے تین بچے دو سالہ۔ اسی قیاس پر ہر تیس پر ایک بچہ یکسالہ، اور ہر چالیس پر ایک بچہ دو سالہ لازم آتا جائے گا اور دہائیوں کے بیچ میں جو اکائیاں نو تک آتی جائینگی سب معاف ہوں گی اور گائے بھینس مخلوط ہوں تو جو گنتی میں زیادہ ہو اُسی کا بچہ یک سالہ یا دو سالہ لیں گے، اور برابر

ہوں تو اُن میں جو قسم اعلیٰ ہے اس کا ادنیٰ لیا جائے گا یا ادنیٰ کا اعلیٰ ۔ یونہی بھیڑ بکری مخلوط ہونے میں ، مثلاً ایک شخص کے پاس پندرہ پندرہ گائے بھینسیں ہیں جن میں ایک ایک سال کے متعدد بچّے دونوں قسم کے ہیں ، کوئی زیادہ فربہ کوئی ہلکا کوئی متوسط ، تو جہاں گائے کا بچہ زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہو تو اُن یکسالہ بچّوں میں سب سے ہلکا یا بھینس کے یکسالہ بچّوں میں سب سے فربہ لیا جائے گا اور جہاں بھینس کا بچہ بیش قیمت ہو تو اس کے یک سالہ بچّوں میں سب سے ہلکا یا گائے کے یک سالہ بچّوں میں سب سے فربہ دیا جائے گا ۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے :

(السائمۃ المکتفیۃ بالرعی اکثر العام لقصد الدر والنسل) والسمن فی البدائع لو اسامھا للحم فلا زکوۃ کما لو اسامھا للحمل والرکوب، ولو للتجارۃ ففیھا زکوۃ التجارۃ (فلو علفھا نصفہ لا تکون سائمۃ) فلا زکوۃ للشک فی الموجب[1] (نصاب البقر والجاموس) (ثلثون سائمۃ وفیھا تبیع ذو سنۃ) کاملۃ (او تبیعۃ) انثاہ (وفی اربعین مسن ذو سنتین او مسنۃ) ولا شیئ فیما زاد (الی ستین ففیھا ضعف ما فی ثلثین) وعلیہ الفتوی (ثم فی کل ثلثین تبیع وفی کل اربعین مسنۃ الا اذا تداخلا کمائۃ وعشرین فیخیر بین اربع اتبعۃ وثلاث مسنات وھکذا[2] (ولا شیئ فی عوامل وحمل) بفتحتین ولد

سائمہ وہ چوپایہ ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارا کرے ، اگر ایسا جانور کسی نے دُودھ ، نسل اور گھی کے لیے رکھا ہو ، بدائع میں ہے کہ اگر گوشت کے لیے ہو تو زکوٰۃ نہیں جیسا کہ اگر کسی نے بوجھ لادنے یا سواری کے لیے رکھا تو زکوٰۃ نہیں ، اگر تجارت کیلئے ہے تو اس میں زکوٰۃ ہوگی (اگر نصف سال چارہ ڈالا تو وہ جانور سائمہ نہ ہوگا) اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی کیونکہ موجب میں شک ہے (گائے) بھینس (کا نصاب) (تیس ہے ان میں (تبیع) ایک کامل سال کا واجب ہوگا) (یا تبیعہ) اسکی مؤنث (اور چالیس میں ایک مسن دو سال یا ایک مسنہ) اس پر اضافہ میں کوئی شئی نہیں ، (ساٹھ تک پھر ساٹھ پر تیس میں جو کچھ تھا اس کا دوگنا لازم ہے اور اس پر فتویٰ ہے (پھر ہر تیس پر ایک تبیع اور ہر چالیس پر ایک مسنۃ ہوگا مگر اس صورت میں جب تداخل ہو جائے مثلاً تعداد ایک سو بیس ہوگی تو اب اختیار ہے چار تبیع دے دے یا تین مسنے ، اسی طرح آگے کا معاملہ ہے (محنت و مشقت لینے والے

---

[1] درمختار باب السائمہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۱

[2] ؍؍ باب زکوٰۃ البقر ؍؍ ۱/۱۳۲

alahazratnetwork.org

الشاۃ (وفصیل) ولد الناقۃ (وعجول) بوزن سنور ولد البقرۃ وصورتہ ان یموت کل الکبار ویتم الحول علی اولادھا الصغار (الا تبعًا لکبیر ولو واحدا (و) لا فی (عفو وھو ما بین النصب فی کل الاموال[1] اھ ملخصا ملتقطا۔

جانوروں، بکری کے بچوں، اونٹنی کے بچوں اور گائے کے بچوں میں زکوٰۃ نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بڑے جانور مرجاتے ہیں اور سال ان کے چھوٹے بچوں پر مکمل ہوتا ہے (تو اب زکوٰۃ نہیں) مگر اس صورت میں کہ بڑے موجود ہوں تو ان کی اتباع میں زکوٰۃ ہوگی اگرچہ بڑا ایک ہو اور عفو میں زکوٰۃ نہیں، اور یہ تمام اموال میں نصابوں کے درمیانی حصہ کو کہا جاتا ہے ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الجاموس ھو نوع من البقر کما فی المغرب فھو مثل البقر فی الزکوٰۃ والاضحیۃ والربا ویکمل بہ نصاب البقر وتوخذ الزکوٰۃ من اغلبھا وعند الاستواء یوخذ اعلی الادنی وادنی الاعلی نھر، وعلی ھذا الحکم البخت والعراب والضان والمعز، ابن ملک[2]۔

بھینس، گائے کی ایک نوع ہے جیسا کہ مغرب میں ہے لہذا یہ زکوٰۃ، قربانی اور ربا میں گائے کے حکم میں ہوگی، اس سے گائے کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے اگر گائیں غالب ہوں تو زکوٰۃ لی جائے گی اور اگر برابر ہوں تو ان میں جو قسم اعلٰی ہے اس کا ادنٰی لیا جائیگا یا ادنٰی کا اعلٰی، نہر۔ اور اسی کے حکم میں بختی اور عربی اونٹ، بھیڑ اور بکری وغیرہ ہوتے ہیں، ابن الملک (ت)

اسی میں ہے:

النصاب اذا کان ضأنا یوخذ الواجب من الضان ولو معزا فمن المعز ولو منھما فمن الغالب ولو سواء فمن ایھما شاء جوھرۃ ای فیعطی ادنی الاعلٰی او اعلی الادنی کما قدمناہ[3]۔

نصاب اگر بھیڑ کا ہے تو بھیڑ ہی وصول کی جائے اور اگر نصاب بکری کا ہے تو بکری ہی لی جائے گی اور اگر دونوں سے نصاب ہے تو پھر غالب کا اعتبار ہوگا اور دونوں برابر ہوں تو جس سے چاہے لو، جوہرہ۔ یعنی اعلٰی سے ادنٰی یا ادنٰی سے اعلٰی لیا جائیگا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے (ت)

[1] درمختار | باب زکوٰۃ الغنم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۳
[2] ردالمحتار | باب زکوٰۃ البقر | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۹
[3] " | باب زکوٰۃ الغنم | " | ۲/۲۰

www.alahazratnetwork.org

عالمگیریہ میں ہے :

ادنی السن الذی یتعلق به وجوب الزکوٰۃ فی الابل بنت مخاض، وفی البقر تبیع، وفی الغنم ھو الثنی کذا فی شرح الطحاوی[1] اھ ملتقطا

کم از کم وُہ عمر جس کے ساتھ اونٹوں میں زکوٰۃ متعلق ہوتی ہے بنت مخاض ہے، گائے میں تبیع، اور بھیڑ بکریوں میں ثنی، جیسا کہ شرح الطحاوی میں ہے اھ اختصارًا (ت)

درمختار میں ہے :

بنت مخاض ھی التی طعنت فی السنة الثانیة، وتبیع ذو سنة کاملة، والثنی من الضان والمعز ھو ما تمت له سنة[2] اھ بالالتقاط۔

بنت مخاض، جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہو۔ تبیع، ایک سال کی عمر۔ اور بھیڑ و بکری میں ثنی وُہ ہوتا ہے جس پر سال مکمل ہو جائے اھ اختصارًا (ت)

ہندیہ میں ہے :

السوائم تجب الزکوٰۃ فی ذکورھا واناثھا ومختلطھما والسائمة ھی التی تسامر فی البراری لقصد الدر والنسل والزیادة فی الثمن والسمن کذا فی محیط السرخسی[3]۔

سائمہ چوپایوں مذکر و مؤنث اور ان دونوں کے اختلاط پر زکوٰۃ ہے۔ اور سائمہ وہ چوپائے ہوتے ہیں جو جنگل میں چریں اور ان سے مقصد دودھ، نسل، ثمن میں اضافہ اور گھی کا حصول ہو۔ محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

جب یہ قواعد معلوم ہولئے، حکم مسئلہ مسئولہ واضح ہوگیا۔ اٹھارہ بیل اور دو بھینسے کہ کاشتکاری کے لیے ہیں اُن پر کچھ نہیں، اور ایک سال سے کم کے بچے اگرچہ خود محلِ وجوب نہیں مگر یک سالہ کے ساتھ مل کر ان پر بھی وجوب ہوتا ہے تو سب جانور سینتالیس ہُوئے جن پر ایک بچہ دو سال کامل کی عمر کا واجب ہے اور ازانجا کہ ان میں زیادہ گائے ہیں تو یہ دو سالہ گائے کا ہی بچہ دیا جائے گا بچھڑا ہو خواہ بچھیا، اور ازاں جا کہ ان میں زیادہ مادہ ہیں سینتالیس میں اکیس گائے ہیں اور دو بھینسیں پوری، دو جھوٹیاں۔ تو افضل یہ ہے کہ دو برس کامل کی بچھیا زکوٰۃ میں دے، فی الھندیة عن التتارخانیة عن العتابیة ہندیہ میں تتارخانیہ سے عتابیہ سے ہے گائے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی صدقۃ السوائم فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷۸ - ۱۷۷

[2] درمختار باب نصاب الابل و زکوٰۃ البقر و زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۱ تا ۱۳۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی صدقۃ السوائم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷۶

www.alahazratnetwork.org

الافضل فی البقر ان یؤدی من الذکو التبیع ومن الانثی التبیعۃ[1] ۔ و اللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ میں افضل یہ ہے کہ مذکر میں تبیع اور مؤنث میں تبیعہ دیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹ از گونڈہ بہرائچ محلہ چھاؤنی مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ سید حسین صاحب دامت برکاتہم ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں لطف اللہ بہم اجمعین زکوٰۃ کن کن مصارف میں دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مصرف زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو، نہ اپنا شوہر، نہ اپنی عورت اگرچہ طلاق مغلظہ دے دی ہو جب تک عدت سے باہر نہ آئے، نہ وہ جو اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی نانا نانی اگرچہ یہ اصلی وفرعی رشتے عیاذاً باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر مکاتب نہ مرد غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر وغنی پہلے ہی خارج ہوچکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا۔ مثلاً ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے، بعض متہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سید بن بیٹھے اور باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکم حدیث صحیح مستحق لعنت الٰہی ہوتے ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی وقد اوضحنا ذٰلک فی فتاوٰنا (اللہ تعالٰی کی پناہ اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں خوب واضح کردیا ہے۔ ت) اسی طرح غیر ہاشمی کا آزاد شدہ بندہ اگرچہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اصول وفروع و زوج و زوجہ و ہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زن غنیہ کا نابالغ بچہ اگرچہ یتیم ہو یا اپنے بہن بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے، زکوٰۃ وصلہ رحم یا اپنی بہو یا داماد یا ماں کا شوہر یا باپ کی عورت یا اپنے زوج یا زوجہ کی اولاد کہ ان سولہ کو بھی دینا روا، جبکہ یہ سولہ اول سولہ سے نہ ہوں، زانجا کہ انھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدم جواز کا وہم جاتا لہٰذا فقیر نے انھیں بالتخصیص شمار کردیا اور نصاب مذکور پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل،

ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔

دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی زکوٰۃ البقر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۸

سوم نصاب بھی مگر حوائج اصلیہ میں مستغرق جیسے مدیون۔
چہارم حوائج سے فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا تو بقدر ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے اس سے زیادہ اسے لینا روا نہیں۔ یا وہ شخص جس کا مال دوسرے پر دین مؤجل ہے اور ہنوز میعاد نہ آئی اب اسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدر حاجت لے سکتا ہے یا وہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مکر گیا اگرچہ یہ ثبوت رکھتا ہو کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں بالجملہ مدار کار حاجتمندی بمعنیٰ مذکور پر ہے تو جو نصاب مذکور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی مگر عامل زکوٰۃ جسے حاکم اسلام نے ارباب اموال سے تحصیل زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالت غنی بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے، اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطور اباحت اپنے دسترخوان پر بٹھلا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو ہمارے فتاوٰی میں مسطور ہیں،

هذا كله ملخص ما استقر عليه الامر فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار وغیرها من معتبرات الاسفار وقد لخصناه بتوفیق اللہ تعالٰی احسن تلخیص لعله لا یوجد من غیرنا وللہ الحمد، فمن شك فی شیئ من ھذا فلیراجع الاصول التی سمینا

یہ اس تمام گفتگو کا خلاصہ ہے جس پر تنویر الابصار، درمختار، ردالمحتار اور دیگر کتب معتبرہ میں معاملہ کو ثابت کیا ہے اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی سب سے اچھی تلخیص کی ہے، شاید یہ ہمارے علاوہ کہیں نہ ملے وللہ الحمد۔ اور جس شخص کو اس بارے میں شک ہو وہ ان اصول وکتب کی طرف رجوع کرے خواہ

عہ اگر دین معجل خواہ ابتداءً ہے یا یُوں کہ اجل مقرر ہوئی تھی گزر چکی اور مدیون غنی مقر حاضر ہے تو یہ صورت دسترس کی ہے اور یاد رکھنا چاہیے کہ قرض جسے لوگ دست گرداں کہتے ہیں شرعاً ہمیشہ معجل ہوتا ہے، اگر ہزار عہد وپیمان و وثیقہ وتمسک کے ذریعہ اس میں میعاد قرار پائی ہو کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا اس سے پہلے اختیار مطالبہ نہ ہوگا اگر مطالبہ کرے تو باطل و نامسموع ہو وغیرہ وغیرہ ہزار شرطیں اس قسم کی کرلی ہوں تو وہ سب باطل ہیں اور قرض دہندہ کو ہروقت اختیار مطالبہ ہے،

لانه تبرع ولا جبر علی المتبرع وقد نص فی الاشباه والدر وغیرهما انه لا یصح تاجیل القرض ۱۲ منه غفرله (م)

کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع میں جبر نہیں۔ اشباہ، در اور دیگر کتب میں یہ تصریح ہے کہ ادائیگی قرض کا وقت مقرر کرنا صحیح نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

www.alahazratnetwork.org

او لم نسم نعم لاباس ان نورد نصوص بعض ما یکاد یخفی او یستغرب ففی رد المحتار شمل الولاد بالنکاح والسفاح فلا یدفع الی ولده من الزنا[1] الخ وفیه تحت قوله اوبینهما زوجیة ولو مبانة ای فی العدة ولو بثلاث نهر عن معراج الدرایة[2] اھ وفیه تحت قوله ولا الی مملوك المزکی ولو مکاتبا وکذا مملوك من بینه وبینه قرابة ولاد او زوجیة لما قال فی الفتح[3] الخ وفیه تحت قوله وبخلاف طفل الغنیة فیجوز ای ولو لم یکن له اب بحر عن القنیة[4] اھ وفیه و قید بالولاد لجوازہ لبقیة الاقارب کالاخوة والاعمام والاخوال الفقراء بل هم اولی لانه صلة وصدقة ویجوز دفعها لزوجة ابیه وابنه و زوج ابنته، تاترخانیه[5] اھ ملخصا وفیه من کتاب الوصایا تحت قوله الشرف

ان کے ہم نے نام لیے ہیں یا نہیں، ان میں سے بعض ایسی نصوص کے ذکر میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتے جنھیں مخفی یا نادر سمجھا گیا ہے۔ ردالمحتار میں ہے یہ تمام اولاد کو شامل ہے خواہ وہ نکاح کی وجہ سے ہو یا زنا کی وجہ سے' لہذا اولادِ زنا کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جائیگی الخ اور اسی میں ماتن کے قول "یا ان کے درمیان زوجیت کا رشتہ ہو خواہ وہ مبانہ ہو یعنی خواہ وُہ تین طلاق ہو جانے پر عدت بسر کر رہی ہو، یہ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "زکوٰۃ دینے والا اپنے غلام کو نہ دے خواہ وہ مکاتب ہو" کے تحت ہے" اور اسی طرح اس غلام کا حکم ہے جس کے اور زکوٰۃ دینے والے کے درمیان رشتہ اولاد یا زوجیت ہو، اس دلیل کے پیشِ نظر جو بحر اور فتح میں ہے اور اسی میں ماتن کے قول "بخلاف غنی عورت کے بچے کے کہ اسے دینا جائز ہے یعنی اس کا والد نہ ہو، یہ بحر میں قنیہ سے ہے اھ اور اسی میں ہے کہ اولاد کی قید اسی لیے ہے کہ باقی اقارب مثلاً بھائی بہنیں، چچا اور خالو اگر فقراء ہوں تو انھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بلکہ یہ لوگ زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہاں صلہ رحمی اور صدقہ دو چیزیں جمع ہو جاتی ہیں، اپنے والد اور بیٹے کی بیوی اور اپنے داماد کو زکوٰۃ جائز ہے تاتارخانیہ اھ ملخصاً اور اسی میں کتاب الوصایا سے ماتن کے قول "فقط

---

[1] و [2] و [3] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۹

[4] ردالمحتار " " ۲/۶۲

[5] " " ۲/۶۹

www.alahazratnetwork.org

من الام فقط غیر معتبر، یؤیدہ
قول الھندیۃ عن البدائع فثبت ان
الحسب والنسب یختص بالاب دون الام اھ
فلا تحرم علیہ الزکوٰۃ ولا یکون کفوًا
للھاشمیۃ ولا یدخل فی الوقف علی
الاشراف ط[1] اھ وفیہ وقال فی الفتح ایضا
ولا یحل لہ ای لابن السبیل ان
یاخذ اکثر من حاجتہ، قلت وھذا
بخلاف الفقیر فانہ یحل لہ ان یاخذ
اکثر من حاجتہ وبھذا فارق ابن
السبیل کما افادہ فی الذخیرۃ اھ وفیہ تحت
قولہ ومنہ مالوکان مالہ مؤجلا ای اذا
احتاج الی النفقۃ یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ
قدر کفایتہ الی حلول الاجل نھر عن الخانیۃ
اھ، وفیہ تحت قولہ اوعلی غائب ای
ولوکان حالا لعدم تمکنہ من اخذہ[2] ط اھ
وفیہ تحت قولہ او معسر او جاحد ولولہ
بینۃ فی الاصح، فیجوز لہ الاخذ فی اصح
الاقاویل لانہ بمنزلۃ ابن السبیل
ولو موسرا معترفا لا یجوز کما فی الخانیۃ[3]
اھ، وفیہ تحت قولہ و
فی سبیل اللہ وھو منقطع

ماں کی وجہ سے شرف معتبر نہیں" کے تحت ہے کہ
ہندیہ نے بدائع سے جو لکھا ہے وُہ اس کا مؤید ہے
تو ثابت ہوگیا کہ حسب ونسب والد کے ساتھ مختص
ہے نہ کہ ماں کے ساتھ اھ پس اس پر زکوٰۃ حرام نہیں
اور نہ ہی وہ ہاشمی کا کفو بنے گا اور سادات پر وقف
میں شامل نہ ہوگا۔ اور اسی میں ہے فتح میں بھی ہے
کہ اس (مسافر) کے لیے ضرورت سے زائد لینا جائز
نہیں، میں کہتا ہُوں بخلاف فقیر کے کہ اس کے لیے
ضرورت سے زائد لینا جائز ہے، اسی سے فقیر اور
مسافر کے درمیان فرق واضح ہوگیا، جیسا کہ اس کا
بیان ذخیرہ میں ہے اھ اور اس میں ماتن کے قول
"اور ایسی ہی صورت وُہ ہے جس میں مال کے حصول کیلئے وقت
مقرر ہو یعنی خرچہ کی ضرورت ہو تو وقت مقرر آنے تک
بقدر کفایت زکوٰۃ لینا جائز ہے یہ نہر میں خانیہ سے
ہے اور اس میں ماتن کے قول "یا وہ قرضہ کسی غائب پر ہے"
کے تحت ہے یعنی اگرچہ قرضہ حالی ہو کیونکہ اس وقت اس
کے حصول پر قادر نہیں اور اسی میں ماتن کے قول" یا
مقروض تنگ دست یا منکر ہو اگرچہ اصح قول کے
مطابق گواہ بھی ہوں" کے تحت ہے کہ اصح قول کے
مطابق ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر
کی طرح ہے اور اگر مقروض امیر اور معترف ہو تو جائز
نہیں جیسا کہ خانیہ میں ہے اھ اور اسی میں ماتن کے

---

[1] ردالمحتار باب الوصیۃ للاقارب مصطفی البابی مصر ۵/۴۸۴
[2] و [3] ردالمحتار باب المصرف " ۲/[illegible]

الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم و فسرہ فی البدائع بجمیع القرب، قال فی النھر و الخلف لفظی للاتفاق علی ان الاصناف کلھم سوی العامل یعطون بشرط الفقر[1] اھ (ملخصًا) وفیہ تحت قولہ وبھذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم یجوزلہ اخذ الزکوۃ ولوغنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ، ھذا الفرع مخالف لاطلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد[2] قلت وھو کذلک والاوجہ تقییدہ بالفقیر الٰی اخرما افادعلیہ رحمۃ الجواد۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

قول "اور اللہ کی راہ میں" سے مراد وہ غازی ہیں جن کے پاس جہاد کا خرچہ نہیں، بعض نے حاجی قرار دیا، بعض کے نزدیک طلبہ مراد ہیں۔ بدائع میں اس کلمہ کی تفسیر "تمام ثواب والے کام" سے کی ہے، نہر میں ہے کہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عامل کے سوا تمام مصارف پر تب خرچ کیا جائے گا جب وہ فقیر ہوں اھ اور اسی میں ماتن کے قول "اس علت کے بیان سے واقعات کی طرف منسوب اس قول کی تقویت ہوجاتی ہے کہ طالبعلم کو زکوٰۃ لینا جائز ہے خواہ وہ غنی ہو بشرطیکہ اس نے اپنے آپ کو علم پڑھانے اور پڑھنے کے لئے مختص کر رکھا ہو کہ یہ تفریع فقہاء کرام کے حرمتِ زکوٰۃ کو غنی کے لئے مطلق رکھنے کے خلاف ہے جبکہ اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا، ط۔ میں کہتا ہوں یہ معاملہ یونہی ہے، موزوں یہی ہے کہ طالبعلم کو فقیر ہونے سے مقید کیا جائے (ان کے افادہ کے آخر تک) ان پر اللہ تعالٰی جواد کی رحمت ہو، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از شہر بہرائچ محلہ ناظر پورہ مسئولہ حکیم محمد عبدالوکیل صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے مسجد یا کنواں مسجد سے متعلق طاہر بانی کے لیے تیار کیا اور بوجہ کمی سرمایہ کے بالآخر قرضدار ہوگیا لہٰذا اس صورت میں مالِ زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ قرضدار کو اس کے قرضہ ادا کرنے کے لیے مالِ زکوٰۃ لینا شرعًا جائز ہے کیونکہ منجملہ مصارف مال زکوٰۃ کے قرضہ بھی ایک مصرف ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

جس پر اتنا دین ہو کہ اُسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کی اولاد میں ہو، نہ باہم زوج وزوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بیشک جائز

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۴

[2] " " " ۲/ ۶۵

www.alahazratnetwork.org

بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مدیون پر چھپن ہزار دین ہو تو زکوٰۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں قال اللہ تعالٰی والغارمین[1] (اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے اور مقروض لوگوں پر زکوٰۃ خرچ کی جائے۔ ت) دُرمختار میں ہے:

ومدیون لایملك نصابا فاضلا عن دینہ وفی الظھیریۃ الدفع للمدیون اولی منہ للفقیر[2]

مقروض وہ شخص ہوتا ہے جو قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو، ظہیریہ میں ہے، مدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر سے اولٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ونقل ط عن الحموی انہ یشترط ان لایکون ھاشمیا[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

اور طحطاوی نے حموی سے نقل کیا کہ شرط یہ ہے کہ مدیون ہاشمی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۱ تا ۱۰۲: مسئولہ رشید احمد متعلم مدرسہ اہلسنت والجماعت ۷ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ کسی شخص نے اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکالی وُہ روپیہ ان شخصوں کو دینا چاہئے یا نہیں:

(۱) یہ کہ اگر چچا چچی و چچازاد بھائی وبہنوں کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟
(۲) یہ کہ ماموں و ممانی و نانا و نانی اور ماموں زاد بھائی اور بہنوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۳) یہ کہ پھوپھا و پھوپھی اور ان کی اولاد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۴) یہ کہ اگر اپنی ہمشیرہ ہے اور اس کی شادی کردی اور اس کا خاوند کم توجہ کرتا ہے تو اس کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۵) یہ کہ بھانجی بھانجے کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟
(۶) یہ کہ اگر زکوٰتی روپے سے لحاف میں رُوئی ڈلوا کر غریبوں کو تقسیم کردیں تو جائز ہے یا نہیں؟
(۷) یہ کہ اگر طالب علم کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟
(۸) یہ کہ اگر بہنوئی کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۹/۶۰
[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰
[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۶۷

(۹) یہ کہ اگرچہ معلوم ہو کہ یہ شخص غریب معلوم ہوتا ہے اور پوشیدہ اس کے پاس چاہے کچھ ہو اس کو دینا جائز ہے یا نہیں ؛
(۱۰) یہ کہ ان روپوں میں سے فقیروں کو جو مانگتے پھرتے ہیں دینا جائز ہے یا نہیں ؟
(۱۱) علاوہ اس کے وہ بات کہ جس میں روپیہ زکوٰۃ صرف کیا جائے وہ برائے مہربانی تحریر کر دیجئے گا۔
(۱۲) یہ کہ اگر مولود شریف میں یا نیاز دعا میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں ؛ بینوا توجروا

الجواب

(۱) ہاں جائز ہے جبکہ مصرف ہو۔
(۲) نانا نانی کو ناجائز باقی چاروں کو جائز۔
(۳) ان سب کو دے سکتے ہوں جبکہ نہ غنی ہوں نہ غنی باپ کے بچے نہ ہاشمی۔
(۴) جائز ہے جبکہ محتاج ہو۔
(۵) ان کو بھی بشرائط مذکورہ جائز ہے۔
(۶) ہاں رُوئی کی قیمت زکوٰۃ میں لگا سکتا ہے جبکہ بہ نیت زکوٰۃ دے مگر بھرائی کی اُجرت زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی۔
(۷) جائز ہے جبکہ غنی و ہاشمی نہ ہو۔
(۸) بشرطِ مذکورہ جائز ہے۔
(۹) جبکہ اُسے اُس کا اندرونی حال معلوم نہیں تو ظاہر محتاجی پر عمل کر کے زکوٰۃ دے سکتا ہے۔
(۱۰) جائز ہے مگر جوان تندرست جو بھیک مانگنے کا پیشہ کر لیتے ہیں جیسے جوگی سادھو بچے ان کو دینا جائز نہیں۔
(۱۱) محتاج فقیر جو نہ ہاشمی ہو نہ غنی باپ کا نابالغ بچہ، نہ اپنی اولاد جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ یہ اس کی اولاد جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، نہ اپنی زوجہ، نہ عورت کا اپنا شوہر، ایسے محتاج کو جو ان سب کے سوا ہو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے وبس۔
(۱۲) مجلس میلاد پاک میں حصہ عام تقسیم ہوتا ہے غنی فقیر مصرف غیر مصرف کی تخصیص نہیں ہوتی، یونہی نیاز کی تقسیم میں تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی، ہاں جو حصے خاص فقراء مصرف زکوٰۃ کو دے اُس کا شمار ان کو دینے میں زکوٰۃ کی نیت کرے تو وہ زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳ از مراد آباد مسئولہ امیر حسن صاحب رضوی ۹ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ صدقۂ فطر کس قدر دینا چاہئے اور کس کو دینا چاہئے اور کس وقت ادا کرے اور کس کی طرف سے ؛ بینوا توجروا

www.alahazratnetwork.org

الجواب

صدقۂ فطر سو روپے کے سیر سے پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر دیا جائے اور اس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں اور اس کے دینے کا وقت واسع ہے، عید الفطر سے پہلے بھی دے سکتا ہے اور بعد بھی، مگر بعد کو تاخیر نہ چاہئے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے نکال دے کہ حدیث میں ہے، صاحبِ نصاب کے روزے معلق رہتے ہیں جب تک یہ صدقہ ادا نہ کرے گا۔ اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے دینا واجب ہے اور باندی غلام کی طرف سے بھی جو اس کی ملک ہیں، بی بی یا بالغ بچوں کی طرف سے دینا واجب نہیں اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں، آپ دیں یا اُن کی اجازت سے یہ دے، بلا اجازت ان کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۰۴

میرے عزیزوں میں ایک شخص نابینا اور قرضدار ہیں جائیداد ان کے ہے لیکن قرضداری سے کم ہے اور قبضہ دوسرے شخص کا ہے، اُن کو آمد بھی پُورے پُورے طور سے نہیں ملتی، زکوٰۃ ان کو دینی چاہئے یا نہیں؟ فقط

الجواب

ہاں بلکہ عزیزوں کو دینے میں دُونا ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۰۵

از حاجی عبدالکریم نور محمد جنرل مرچنٹ چوک ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

زکوٰۃ کا پیسہ طلبہ کو دے سکتے ہیں امداد کے لیے یا نہیں؟

الجواب

طلبہ کہ صاحبِ نصاب نہ ہوں انھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بلکہ اُنھیں دینا افضل ہے جبکہ وہ طلبہ علمِ دین لِلّٰہ دین پڑھتے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶

از شہر بریلی دفتر انجمن خادم المسلمین ۲۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ وخیرات کا مال دینے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں اور مذہبی وتمدنی نقطۂ نظر سے کہاں تک یہ گروہ زکوٰۃ کا مستحق ہے اور پیشہ ور گداگروں کی ہمت افزائی نہ کرنا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب

گدائی تین قسم ہے:

ایک غنی مالدار جیسے اکثر جوگی اور سادھو بچّے انھیں سوال کرنا حرام اور انھیں دینا حرام، اور اُن کے دئے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، فرض سر پہ باقی رہے گا۔

دوسرے وُہ کہ واقع میں فقیر ہیں قدرِ نصاب کے مالک نہیں مگر قوی و تندرست کسب پر قادر ہیں اور سوال کسی ایسی ضرورت کے لیے نہیں جوان کے کسب سے باہر ہو کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لیے بھیک مانگتے پھرتے ہیں انھیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انھیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث کہ حدیث شریف میں،

لا تحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سوی[1] — صدقہ حلال نہیں کسی غنی کے لیے اور نہ کسی توانا و تندرست کے لیے (ت)

انھیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اعانت ہے، لوگ اگر نہ دیں تو مجبور ہوں کچھ محنت مزدوری کریں۔

قال اللہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان[2] — اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو (ت)

مگر ان کے دیئے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں،

قال اللہ تعالٰی انما الصدقت للفقراء[3] — اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے صدقات فقراء کے لیے ہیں (ت)

تیسرے وُہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں انھیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لیے طیب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوٰۃ سے ہیں اور انھیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وُہ جنھیں جھڑکنا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۱ از ناگوار مارواڑ از دکان قادر بخش مرسلہ محمد بخش پریذیڈنٹ انجمن مدرسہ حمیدیہ اسلامیہ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالِ زکوٰۃ مدرسہ اسلامیہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مدرسہ اسلامیہ اگر صحیح اسلامیہ خاص اہلسنت کا ہو۔ نیچریوں، وہابیوں، قادیانیوں، رافضیوں، دیوبندیوں وغیرہم مرتدین کا نہ ہو تو اس میں مالِ زکوٰۃ اس شرط پر دیا جا سکتا ہے کہ مہتمم اس مال کو جُدا رکھے اور خاص تملیک فقیر کے مصارف میں صرف کرے مدرسین یا دیگر ملازمین کی تنخواہ اس سے نہیں دی جا سکتی۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ما جاء من لا تحل لہ الصدقۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۸۳

[2] القرآن ۵/ ۲

[3] القرآن ۹/ ۶۰

www.alahazratnetwork.org

نہ مدرسہ کی تعمیر یا مرمت یا فرش وغیرہ میں صرف ہوسکتی ہے، نہ یہ ہوسکتا ہے کہ جن طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے اس روپے سے کھانا پکا کر اُن کو کھلایا جائے کہ یہ صورتِ اباحت ہے اور زکوٰۃ میں تملیک لازم، ہاں یُوں کرسکتے ہیں کہ جن طلبہ کو کھانا دیا جاتا ہے اُن کو نقد روپیہ بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دیں پھر وُہ اپنے کھانے کیلئے واپس دیں یا جن طلبہ کا وظیفہ نہ اجرۃً بلکہ محض بطور امداد ہے اُن کے وظیفے میں دیں یا کتابیں خرید کر طلبہ کو اُن کا مالک کر دیں۔ ہاں اگر روپیہ بہ نیت زکوٰۃ کسی مصرف زکوٰۃ دے کر مالک کر دیں وُہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دے تو تنخواہ مدرسین و ملازمین وغیرہ جملہ مصارف مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸ از حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پٹھان پور
۲۴ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زکوٰۃ کے روپے سے دو چار کتب دینی مثل فتاوٰی عالمگیری و مشکوٰۃ شریف وغیرہ خرید کر کے دوسرے شخص کے پاس بطور وقف رکھ دی جائیں تاکہ عام کو اس سے فیض پہنچے اس وجہ سے ایسی کتاب بوجہ بیش قیمت ہونے کے یہاں میسر نہیں ہے تو اس کے واسطے کیا صورت ہونی چاہئے کہ زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے اور کتابوں کی کارروائی بھی ہوجائے۔

الجواب

مال زکوٰۃ سے وقف ناممکن ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا اور زکوٰۃ میں فقیر کی تملیک شرط ہے اس کی تدبیر یوں ہوسکتی ہے کہ کسی نیک بندہ کو جو زکوٰۃ کا مصرف ہے بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دیا جائے اور وُہ اپنی طرف سے کتابیں خرید کر وقف کردے۔ ایک اور حیلہ بھی ممکن ہے مثلاً سَو روپے کی کتابیں وقف کرنے کے لیے خریدنی ہیں اور اس پر سَو روپے زکوٰۃ کے آتے ہیں تو من دو من گیہوں مثلاً کسی فقیر کے ہاتھ سو روپے کو بیع کرے اور اُسے سمجھا دے کہ یہ قیمت تمھیں ہم ہی دینگے جب وُہ خرید لے تو اب اسے سَو روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دے جائیں، جب وُہ قبضہ کرلے اب اس سے اس آتی ہوئی قیمت میں روپے لے لیے جائیں، اگر نہ دے تو جبراً لے سکتا ہے کہ وُہ اس کا مدیون ہے، اب اس روپے سے کتابیں خرید کر وقف کردیں، المسئلۃ منصوص علیھا فی الدرالمختار والمعتمدات الاسفار (درمختار اور دیگر معتمد کتب میں اس مسئلہ پر نص ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹ تا ۱۱۱ حاجی عیسٰے صاحب کاٹھیاوار
۲۲ رمضان شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ،

(۱) ایک مسجد میں بلحاظ مصلیان بہت کم گنجائش ہے یا بایں وجہ کہ ہر وقت کی نماز میں کش مکش کا سامنا ہوتا ہے لہذا ایسی حالت میں اگر کوئی صاحب زکوٰۃ ابھی زرِ زکوٰۃ کو کسی غریب مسلمان شخص کی ملکیت قائم کرکے اس مکان کو جو مسجد سے ملا ہوا ہے خرید کر کے شاملِ مسجد کر دے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں، مگر اسکہ

مسجد مذکور کے قرب وجوار کے مسلمانوں میں اس قدر استطاعت نہیں کہ جو چندہ فراہم کرکے مکان مذکور کو خرید سکیں۔

(۲) ایسی کتاب دینی جو اگر طبع کی جائے تمام مسلمانانِ عالم میں مفید ثابت ہوسکتی ہے اگر کوئی شخص زرِ زکوٰۃ سے چندہ فراہم کرکے کتاب مذکور لبغرض رفاہِ عام چھپوائے تو ان چندہ دہندگان اصحاب کا زرِ زکوٰۃ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب

(۱) جبکہ اس نے فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردیا زکوٰۃ ادا ہوگئی اب وہ فقیر مسجد میں لگادے دونوں کے لیے اجرِ عظیم ہوگا، درمختار میں ہے:

وحیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فالثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد[1]۔

کفن بنانے کے لیے یہ حیلہ ہے کہ صدقہ فقیر کو دیا جائے پھر وہ فقیر کفن بنادے تو ثواب دونوں کے لیے ہوگا، اسی طرح تعمیرِ مسجد میں حیلہ کیا جاسکتا ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں زیرِ قول متن لا الی بناء مسجد وتکفین میت وقضاء دینہ وشراء قن یعتق (زکوٰۃ سے تعمیرِ مسجد، میت کے لیے کفن اور اس کا ادا، قرض اور ایسے غلام کا خریدنا جائز نہیں جسے آزاد کردیا گیا ہو۔ ت) فرمایا:

والحیلۃ فی الجواز فی ھذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوتہ علی فقیر ثم یأمرہ بعد ذلک الصرف فی ھذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوۃ وللفقیر ثواب ھذہ الصرف کذا فی المحیط[2]۔

ان چاروں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ آدمی زکوٰۃ فقیر کو دے پھر اسے کہے کہ ان چاروں پر خرچ کرے، صاحبِ مال کیلئے زکوٰۃ کا ثواب اور فقیر کے لیے خرچ کا ثواب ہوگا۔ کذا فی المحیط (ت)

(۲) جائز ہے اور اس میں چندہ دہندوں کے لیے اجرِ عظیم اور ثواب جاری ہے، جب تک وہ کتاب باقی رہے گی اور نسلاً بعد نسلٍ جن جن مسلمانوں کو فائدہ دے گی ہمیشہ ان سب کا اجر ایک چندہ دہندے کو اُس کی حیات میں اور اُس کی قبر میں پہنچتا رہے گا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او عمل ینتفع بھا

جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین صورتوں میں جاری رہتا ہے: ایک اس نے

---

[1] درمختار | کتاب الزکوٰۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۰

[2] بحرالرائق | باب المصرف | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۲۴۳

اوولد صالح یدعولہ[1] - رواہ البخاری فی ادب المفرد ومسلم فی الصحیح و ابوداؤد و الترمذی عن النسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

صدقہ جاریہ کیا تھا، دوسرا اس کا ایسا عمل جواب بھی نافع ہے یا اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ اسے امام بخاری نے ادب المفرد میں، مسلم نے صحیح میں، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مگر اولاً فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دینا ضرور ہے پھر وُہ فقیر طبع کتاب میں خود دے دے یا اس سے دلوا دے، جیسا کہ درمختار و بحرالرائق کی عبارت سے گزرا، یا جو جو طریقے ائمہ نے کتبِ فقہ میں لکھے ہیں بجا لائے۔ درمختار میں ہے:

وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوتہ ثم یأخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدّیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی[2]۔

حیلۂ جواز یُوں ہے کہ اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دی جائے پھر اس سے اپنے قرض میں واپس لی جائے اور اگر مقروض نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق پر قدرت کا معاملہ ہے، اگر اس پر بھی نہ دے تو قاضی کی طرف معاملہ لے جایا جائے (ت)۔

اور سب سے آسان یہ ہے کہ ایک دیندار شخص کے پاس سب زکوٰۃ دہندہ اپنا چندہ جمع کریں اور اس سے کہہ دیں کہ زرِ زکوٰۃ بے طریقہ شرعیہ پر بعد تملیکِ فقیر طبع میں ہمارے ثواب کے لیے صرف کر، وُہ ایسا ہی کرے، سب زکوٰتیں بھی ادا ہو جائیں گی اور وُہ دینی ضروری نافع کام بھی ہو جائیگا اور یہ اموال کا ملانا کہ باذن مالکان ہے کہ چندہ کا یہی طریقہ معروفہ معہودہ ہے کچھ مانع نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لوخلط زکوۃ موکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء[3]۔

اگر اپنے موکلین کی زکوٰۃ خلط ملط کر دی تو وکیل ضامن ہوگا اور وُہ تبرع کرنے والا ہوگا مگر اس صورت میں جب فقرا نے اسے اپنا وکیل قرار دے دیا ہو۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۴۱
الادب المفرد باب ۱۹ برالوالدین بعد موتہما حدیث ۳۸ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۲۱
[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰
[3] ایضاً

ردالمحتار میں ہے:

قال فی التتارخانیۃ اذا وجد الاذن او اجاز المالکان[1] اھ۔

تاتارخانیہ میں ہے کہ یہ کسی اذن کی وجہ سے ہو یا مؤکل اسے جائز کردیں اھ (ت)

اسی میں ہے:

ثم قال فی التتارخانیۃ او وجدت دلالۃ الاذن بالخلط کما جرت العادۃ[2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

پھر تاتارخانیہ میں کہا کہ یا دلالۃً اختلاط کی اجازت ہو جیسے کہ عادت معروفہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱: مسئولہ ناصرالدین صاحب پیلی بھیتی از آگرہ محلہ نئی بستی، گلی بدھو بیگ، مکان حافظ سعیدالدین سوداگر لٹھا ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

www.alahazratnetwork.org

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنگ اٹلی و شہنشاہِ روم کے واسطے اہل اسلام نے اکثر چندہ جمع کیا ہے، اگر زیور کی زکوٰۃ کا روپیہ جنگ مذکور کے واسطے شہنشاہِ روم کو بھیجا جائے تو یہ روپیہ دینا جائز ہوگا یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ جہاد کے اُن مصارف میں جن میں فقیر کو تملیک نہ ہو جیسے گولے بارود کی خریداری یا فوج کی باربرداری یا فوجی افسروں کی تنخواہ یا فوجی دواخانہ کی دواؤں میں دینا جائز نہیں، نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا الحج والجھاد وکل مالا تملیک فیہ کذا فی التبیین[3]۔

زکوٰۃ سے مسجد بنانا جائز نہیں، اسی طرح حج اور جہاد، بلکہ ہر وہ مقام جہاں تملیک نہ ہو۔ تبیین میں یہی ہے۔ (ت)

ہاں فقیر مجاہدوں کو دی جائے یا شہیدوں کے فقیر پس ماندوں کو یا ان مجاہدوں کو جو سفر کرکے آئے گھر پر اموال رکھتے ہیں یہاں مصارف کے لیے کچھ پاس نہیں ان کو دینا جائز ہے اول فی سبیل اللہ ہے، ثانی فقراء اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲
[2] " " "
[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۸۸

ثالث ابن السبیل، اور یہ سب مصارفِ زکوٰۃ ہیں۔ درمختار میں ہے:

مصرف الزکوٰۃ فقیر و فی سبیل اللّٰہ و ھو منقطع الغزاۃ و ابن السبیل و ھو کل من لہ مال لامعہ[1] (ملخصاً)

زکوٰۃ فقراء پر خرچ کی جائے اور اللہ تعالٰی کی راہ میں، اور اس سے مراد محتاج غازی اور مسافر، اور اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا مال تو ہو مگر اس کے پاس نہ ہو۔ (ت)

یا یہ ہو کہ یہاں کسی معتمد فقیر کو دے کر مالک کر کے قبضہ دے دیں وہ اپنی طرف سے اس چندہ میں دے دے اب کوئی شرط نہیں ہر مصرف میں صرف ہو سکتی ہے، اور زکوٰۃ دہندہ اور فقیر دونوں کو ثواب ملے گا۔ درمختار میں ہے:

حیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد[2]

تکفین کے لیے حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ فقیر کو دی جائے فقیر کفن بنوا دے، تو اب ثواب دونوں کے لیے ہوگا، اسی طرح تعمیرِ مسجد میں حیلہ کی صورت ہے۔ (ت)

پھر صورتِ اولٰی میں کہ خود زکوٰۃ ہی ان جائز مصارف کے لیے وہاں بھیجے، اگر ابھی اس کی زکوٰۃ کا سال تمام نہ ہوا تھا پیشگی دیتا ہے جب تو دوسرے شہر کو بھیجنا مطلقاً جائز ہے اور اگر سال تمام کے بعد بھیجے جب بھی اس صورت میں حکم جواز ہے کہ مجاہدوں کی اعانت میں اسلام کا زیادہ نفع ہے۔ درمختار میں ہے:

کرہ نقلھا الا الی قرابۃ او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین، او کانت معجلۃ قبل تمام الحول فلا یکرہ خلاصۃ[3] (ملخصاً)

زکوٰۃ کو دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ، ہاں اس صورت میں مکروہ نہیں جب دوسری جگہ کوئی رشتہ دار، زیادہ محتاج، نیک، صاحبِ تقوٰی یا مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ہو یا سال سے پہلے جلدی زکوٰۃ دینا چاہتا ہو، خلاصہ (ت)

مگر اطمینان ضرور ہو کہ ٹھکانے پر پہنچے بیچ میں خورد برد نہ ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار	باب المصرف	مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۴۰
[2] "	کتاب الزکوٰۃ	" " "	۱/ ۱۳۰
[3] "	باب المصرف	" " "	۱/ ۴۲-۱۴۱

مسئلہ ۱۱۲ از دہرہ دون محلہ دھاما ن مسئولہ مختار حسین قادری ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موجودہ حالتِ زار جو مظلومین میں ترک کی ہے مثلاً سمرنا، اناطولیہ وغیرہ میں جو یونانیوں کی دست درازیوں کے شکار ہو رہے ہیں ان کی امداد زکوٰۃ کے مال سے کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو روپیہ بھیجنے اور دینے کی کیا صورت ہونی چاہئے، موجودہ طریق جو سیٹھ چھوٹانی بمبئی والا کر رہا ہے کہ امداد مظلومین ترکوں کی جس میں وہ زکوٰۃ کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے اپنے اختیار سے زکوٰۃ اور دیگر چندہ لے کر جتنی جہاں ضرورت ہوتی ہے مثلاً بیماروں کی مدد، لٹے ہوئے گھروں کی امداد وغیرہ اپنی رائے کے موافق صرف کرتا ہے۔ تو جو لوگ اس میں زکوٰۃ دیتے ہیں ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، یہ لوگ بطور خود چندہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ وغیر زکوٰۃ بلکہ مسلم وغیر مسلم سب کے چندے غلط کرلیتے وہ روپیہ فوراً ہلاک ہوجاتا ہے اور قابل ادا زکوٰۃ نہیں رہتا، فان الخلط استھلاک (کیونکہ خلط ملط کرنا ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ت) فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجلان دفع کل منھما زکوٰۃ مالہ الی رجل لیؤدی عنہ فخلط مالھما ثم تصدق ضمن الوکیل مال الدافعین وکانت الصدقۃ عنہ کذا فی فتاوٰی قاضی خان[1]۔

دو اشخاص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ایک شخص کو دی تاکہ وہ ان کی طرف سے ادا کرے اس نے دونوں کے مال کو ملا دیا پھر زکوٰۃ ادا کی تو وکیل ان کے مال کا ضامن ہوگا اور صدقہ وکیل کی طرف سے ہوگا، فتاوٰی قاضی خاں (ت)

درمختار میں ہے:

لوخلط زکوٰۃ مؤکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء[2]۔

اگر اپنے مؤکلین کی زکوٰۃ میں خلط ملط کردیا تو وہ وکیل ضامن ہوگا اور متبرع ہوگا مگر اس صورت میں کہ جب اسے فقراء نے اپنا وکیل بنایا ہو۔(ت)

اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والے خالص مسلمان اپنی اپنی زکوٰۃ ایک معتمد متدین کے پاس جمع کریں اور وہ روپیہ ملا لینے کی اجازت دیں اور اس میں کوئی پیسہ غیر زکوٰۃ کا خلط نہ کیا جائے نہ کسی وہابی یا رافضی یا نیچری یا قادیانی یا حدِ کفر تک پہنچے ہوئے گاندھوی کی زکوٰۃ اس میں شامل ہو کہ ان لوگوں کی زکوٰۃ شرعاً

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذہب الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۸۳

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

زکوٰۃ نہیں، یہ خالص زکوٰۃ شرعی کا جمع کیا ہوا مال کہ مالکوں کے اذن سے خلط ملط کیا گیا اُن فقراء مظلومین کو پہنچایا جائے۔

ردالمحتار میں زیرِ عبارت مذکورہ درمختار ہے:

قولہ ضمن وکان متبرعا، لانہ ملکہ بالخلط وصار مؤدیا مال نفسہ قال فی التتارخانیۃ الااذا وجد الاذن أو اجاز المالکان اھ ویتصل بھذا العالم اذا سئل للفقراء شیئا وخلط یضمن قلت ومقتضاہ لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الاذن حینئذ دلالۃ[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

ان کا قول ہے وکیل ضامن ہوگا اور اس کی ادائیگی بطور تبرع ہوگی کیونکہ خلط ملط کرنے سے وہ مالک ہو جاتا ہے اور اب وہ اپنے مال کو ادا کرنے والا ہوگا۔ تتارخانیہ میں ہے کہ مگر اس صورت میں جب اجازت ہو یا مالک اسے جائز کردیں اھ اس کے ساتھ وہ صورت بھی ملحق ہے جب کسی عالم نے فقراء کے لیے کچھ مانگا اور خلط ملط کردیا تو وُہ ضامن ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کا مقتضایہ ہے کہ اگر عرفاً ایسا کیا جاتا ہو تو اب ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس وقت دلالۃً اجازت موجود ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: مسئولہ امیر حسن بنگالی طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

مالدار کے لیے صدقہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

صدقہ واجبہ مالدار کو لینا حرام اور دینا حرام، اور اس کے دئے ادا نہ ہوگا، اور نافلہ مانگ کر مالدار کو لینا حرام اور بے مانگے مناسب نہیں جبکہ دینے والا مالدار جان کر دے اور اگر وہ محتاج سمجھ کر دے تو لینا حرام، اور اگر لینے کے لیے اپنے آپ کو محتاج ظاہر کیا تو دوہرا حرام، ہاں وہ صدقاتِ نافلہ کہ عام خلائق کے لیے ہوتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی ذلّت نہیں وُہ غنی کو بھی جائز ہیں جیسے حوض کا پانی، سقایہ کا پانی، نیاز کی شیرینی، سرائے کا مکان، پل پر سے گزرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴: از بریلی محلہ کانکر ٹولہ متصل مسجد خورد مرسلہ الطاف علی خاں مورخہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مدرسہ دینیہ میں زکوٰۃ وصدقہ مدرسین کو دینا جائز ہے یا نہیں، تنخواہ میں دینا وطلباء کو جو کہ یتیم ہیں ان کی تعلیم کے اخراجات کے واسطے دینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

www.alahazratnetwork.org

الجواب

تنخواہِ مدرسین میں نہیں دے سکتے، ہاں طلبہ کو تملیک کر سکتے ہیں اگرچہ یتیم نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۵ از میرٹھ سٹی ضلع جودھ پور مسئولہ فخر الدین شاہ ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یتیموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بچہ اپنی قرابت کا ہے اُس کا وارث کوئی نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

یتیم بچے کو خصوصاً جبکہ اپنا قرابت دار ہو زکوٰۃ دینا بہت افضل ہے جبکہ وہ نہ مالدار نہ سید وغیرہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو۔ ہاں بھائی بھانجا ہو تو وہ بشرائط مذکورہ سب سے زیادہ مستحق ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از شہر [illegible] مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ

زرِ زکوٰۃ میں سے اگر یتیموں مساکین کو کھلایا جاتے یا کپڑا بنایا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

کپڑا بنا کر ان کو دے کر مالک کر دینا، کھانا پکا کر اُن کے گھر کو بھیج کر قبضہ میں دے کر مالک کر دینا تو حالت موجودہ پر یہ سِلا ہوا کپڑا اور پکا ہوا کھانا بازار کے بھاؤ سے جتنے کا ہے اُس قدر زکوٰۃ میں مجرا ہوگا، سلائی پکوائی وغیرہ مجرا نہ ملے گی اور اگر اپنے یہاں پکا کر دسترخوان پر بٹھلا کر کھلا دیا جس طرح دعوتوں میں ہوتا ہے تو وہ زکوٰۃ نہیں ہو سکتا لانها تمليك وهذه اباحة (کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنانا ہوتا ہے اور اس صورت میں ملکیت نہیں بلکہ اباحت ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۷ و ۱۱۸ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو مکان واسطے یتیموں کے خریدا جائے اس کی بیع میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور وہ مکان نام یتیم خانہ کے ہو۔

(۲) کہ مقدمہ جو واقعہ جبولی میں کنگھر والوں سے ہوا ہے اس کے صرف میں زکوٰۃ کا روپیہ دیا جائے یا نہیں کیونکہ وہ مذہبی معاملہ قرار دیا گیا ہے۔

الجواب

یتیم خانہ کی خریداری میں روپیہ لگا دینے سے زکوٰۃ ہرگز ادا نہ ہوگی لانه ان كان وقفا والزكوٰة تمليك فلا يجتمعان (کیونکہ یتیم خانہ اگر وقف ہے اور زکوٰۃ میں تملیک ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔) نہ کسی غنی کو صرف مقدمہ کے لیے دینے سے ادا ہو سکے اگرچہ وہ مقدمہ مذہبی دینی ہو فان الغنی لیس بمصرف

www.alahazratnetwork.org

(کیونکہ غنی زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔ ت) نہ کسی فقیر نہ مسکین کے دینی خواہ دنیوی مقدمہ میں وکیلوں مختاروں کو دینے یا اور خرچوں میں اٹھانے سے ادا ممکن جب تک فقیر کو دے کر اُس کے قبضہ کے بعد اُس سے لے کر صرف نہ کیا جائے فان الصدقۃ لا تحصل الا بتملیك مصرفھا ولا تتم الا بقبضۃ (کیونکہ صدقہ تب ادا ہوگا جب کسی مصرف کو مالک بنایا جائے گا اور تملیک کا اتمام قبضہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ت) پس اگر اس قسم کے معاملات میں اٹھانا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص شرعاً مصرفِ زکوٰۃ ہے اسے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر اُس کا قبضہ کرادیں پھر وہ اپنی طرف سے اپنے آپ خواہ اُسے دے کر خریداری یتیم خانہ خواہ کسی دینی مقدمہ وغیرہ امورِ خیر میں لگادے۔ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

فی جمیع ابواب البر کعمارۃ المساجد وبناء القناطیر الحیلۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰۃ علی فقیر ثم یامرہ بالصرف الٰی ھذہ الوجوہ فیکون للمتصدق ثواب الصدقۃ وللفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرۃ[1] (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم۔

تمام امورِ خیر مثلاً تعمیرِ مساجد اور پُلوں کی تعمیر وغیرہ میں حیلہ یہ ہے کہ مقدارِ زکوٰۃ فقیر پر صدقہ کی جائے پھر اسے ان امور پر خرچ کرنے کے لیے کہا جائے تو ثواب صدقہ کرنے والے کے لیے صدقہ کا ثواب اور فقیر کے لیے مسجد اور پُل کی تعمیر کا ثواب ہوگا (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹ ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

سوالِ اوّل بعد سلام کے عرض ہے میرے پاس سوا اس کے جو شوہر کے پاس سے صرف کے لیے آتا ہے اور کوئی آمد نہیں، اور وہ اتنی ہے کہ گزر بھی بہ مشکل ہوتی ہے، عرض ہے کہ ایسی صورت بتائیے کہ جس میں زکوٰۃ بھی ادا ہو اور خرچ کی بھی دقت نہ ہو، یہ بڑی بی کہتی ہیں کہ آپ کے یہاں مجھ کو کچھ روپیہ دے اور پھر وہ دو آنہ میں مول لے یا جو خرچ مجھ کو شوہر کے پاس سے ملتا ہے اُس میں سے زکوٰۃ ادا کرکے بچوں کے صرف کی جائے تو کچھ بُرائی تو نہیں؟ یا جو روپیہ والد کے ترکہ کا ملا تھا وہ میرا بچوں کے صرف میں ہوگیا وہ ہوسکتا ہے کہ میں زکوٰۃ میں مجرا کرلوں اس واسطے کہ آپ فرماتے ہیں بچوں کا صرف باپ کے ذمہ ہے۔

الجواب

زیور خود مال ہے اُس میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے، شوہر سے جو کچھ خرچ بچوں کے لیے ملتا ہے اُس میں سے زکوٰۃ دینے کا ہرگز اختیار نہیں تمہارے خرچ کو جو کچھ تمہیں دیتے ہیں اُس میں سے زکوٰۃ دے سکتی ہو، اپنے مال کی زکوٰۃ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل الثالث فی مسائل الزکوٰۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۲

اپنے بچّوں کے صَرف میں نہیں کی جاسکتی، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، مال کا جو کچھ بچّوں کے صَرف میں اُٹھ گیا زکوٰۃ میں مجرا نہیں ہوسکتا اگرچہ بچّوں کا خرچ باپ پر ہے ماں پر نہیں، وہ طریقہ کہ زکوٰۃ کا مال بہ نیتِ زکوٰۃ کسی محتاج کو دے کر مالک کر دیا جائے پھر اس کی رضامندی سے تھوڑے داموں کو اس سے خرید لیں، یہ حیلہ بضرورت صرف ایسی جگہ ہو کہ مثلاً کسی سیّد صاحب کو حاجت ہے مالِ زکوٰۃ انھیں دے نہیں سکتے اور اپنے پاس زرِ زکوٰۃ سے زیادہ دینے کی وسعت نہیں تو اس طرح زکوٰۃ ادا کرکے برضامندی مول لے کر سیّد صاحب کے نذر کر دیا جائے یا مسجد کی تعمیر یا میّت کے کفن میں لگا دیا جائے کہ یہ سب نیتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، خرید کر اپنے یا اپنے بچّوں کے صرف میں لانے کی غرض سے یہ حیلہ نہیں کہ اس میں راہِ خدا میں مال خرچ کرکے پھر جانا پایا جائیگا والعیاذ باللہ تعالٰی، آسان طریقہ جو یہاں ہوسکے یہ ہے کہ آدمی جن کی اولاد میں خود ہے یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی یا جو اپنی اولاد میں ہیں یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی اور شوہر زوجہ ان رشتوں کے سوا اپنے جو عزیز قریب حاجتمند مصرفِ زکوٰۃ ہیں اپنے مال کی زکوٰۃ انھیں دے جیسے بہن بھائی، بھتیجا بھتیجی، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے اور نفس پر بار بھی کم ہوگا کہ اپنے سگے بہن بھائی یا بھتیجے بھانجے کا دیا ہوا آدمی اپنے ہی کام میں اُٹھنا جانتا ہے پھر یہ بھی کچھ ضرور نہیں کہ انھیں زکوٰۃ جتا ہی کر دے بلکہ دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو انھیں عیدی وغیرہا یا شادیوں کی رسوم خواہ کسی بات کا نام کرکے مالک کر دے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، پھر اگر مثلاً اپنے بہن بھائی کو دیا اور انھوں نے اُس کے بچّوں پر خرچ کی تنگی دیکھ کر اپنی خوشی سے اس کے بچّوں پر ہبہ کر دیا تو زکوٰۃ میں کچھ خلل نہ آئے گا نہ مقصودِ شریعت کے خلاف ہوگا اور دونوں مطلب یعنی ادائے زکوٰۃ اور بچّوں کے خرچ کی وسعت حاصل ہوجائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰: از موضع مکرجبی والا علاقہ جاگل تھانہ پرہیو ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی محمد شیر صاحب ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

اپنی دختر یا حقیقی ہمشیرہ کو زکوٰۃ یا زمین کا عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

بہن کو جائز ہے جبکہ مصرفِ زکوٰۃ ہو اور بیٹی کو جائز نہیں،

فی الدرالمختار مصرف الزکوٰۃ والعشر فقیر الخ وفیہ لایصرف الی من بینہما ولاد[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ وعشر کا مصرف فقیر ہے الخ اور اسی میں ہے کہ زکوٰۃ وعشر ایسے لوگوں پر صرف نہ کی جائے جن سے اپنی ولادت کا تعلق ہو الخ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰-۴۱

مسئلہ ۱۲۱ مرسلہ محمود حسن صاحب شاگرد رشید احمد گنگوہی صاحب ۲۰ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ میری زکوٰۃ کا روپیہ اپنے والد کو کسی حیلہ سے دے سکتی ہوں یا نہیں، کیونکہ والد ایسی غربت میں ہیں کہ باہر نکلنے بیٹھنے میں شرم آتی ہے اور وہ ایک آبرو دار آدمی ہیں اور نہ کوئی ایسا آدمی ہے کہ میں اس آدمی کو دے دُوں وُہ اپنی طرف سے بھی والد کو دے اس صورت میں کسی حیلہ سے اپنے والد کو زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتی ہوں یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

باپ کو زکوٰۃ دینا کسی طرح جائز نہیں، نہ اُس کی دی زکوٰۃ ادا ہو سکے۔ یہ بات اگر واقعی ہے کہ باپ ایسا ہی حاجتمند ہے اور سائلہ میں یہ طاقت نہیں کہ زکوٰۃ بھی دے اور باپ کی بھی خدمت کرے اور ایسا اطمینان کا شخص کوئی نہیں پاتی کہ اسے زکوٰۃ دے اور وُہ اپنی طرف سے اُس کے باپ کو دیں تو اس کا یہ طریقہ ممکن ہے کہ مثلاً دس روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتی ہے کہ یہ روپیہ اُس کے باپ کو پہنچے تو کسی فقیر مصرف زکوٰۃ کے ہاتھ مثلاً دس سیر یا پانسیر گیہوں دس روپیہ کو بیچے اور اسے سمجھا دے کہ زرِ ثمن ادا کرنے کی تمھیں دقت نہ ہوگی ہم زکوٰۃ دیں گے اسی سے ادا کر دینا جب وُہ بیع قبول کرے گیہوں اس کو دے دے اب اُس کے دس درم بابت ثمن گندم اُس پر قرض ہوگئے اُس کے بعد اسے دس روپیہ زکوٰۃ میں دے کر قبضہ کرا دے زکوٰۃ ادا ہوگئی پھر گیہوں کی قیمت میں روپے واپس لے وہ یوں نہ دے تو جبراً لے سکتی ہے کہ وہ اس کا مدیون ہے اب یہ روپیہ اپنے باپ کو دے دے۔

درمختار میں ہے :

حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی[1]

حیلہ جواز یہ ہے کہ اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دی جائے پھر قرض کے عوض اس سے وہ رقم واپس لے لی جائے اگر مقروض نہ مانے تو اس سے چھین لی جائے کیونکہ یہ اپنے مال کے حصول پر قدرت کی صورت ہے، اگر اس میں بھی رکاوٹ بنے تو معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے۔ (ت)

مگر اس کا لحاظ لازم ہے کہ محتاج باپ کا نفقہ اُس کی سب غنی اولاد پر لازم ہے، بیٹا بیٹی سب برابر، تو اگر تنہا یہی اس کی اولاد ہے تو اس پر اس کا کل خرچ کھانے پہننے رہنے کے مکان کا لازم ہے، اور اگر اور بھی ہیں تو

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

حصہ رسد اور زکوٰۃ بھی اللہ عزوجل کا غنی پر فرض ہے حیلہ کرکے دو واجبوں میں ایک کو ساقط نہ کرے، اللہ عزوجل دلوں کی نیت جانتا ہے، ہاں حقیقۃً قدرت نہ ہو تو حیلہ مذکورہ عمدہ وسیلہ ہے جس سے دونوں واجب ادا ہو سکیں واللہ یعلم المفسد من المصلح[1] (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲ مرسلہ مولوی نیاز محمد خاں بدایونی وارد حال مانوگاچہ ملک پیراک ۲ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ

فطرہ کا پیسہ کون کون کام میں صرف ہو سکتا ہے اور کس کس شخص کو دیا جا سکتا ہے؟

الجواب

فطرہ کے مصارف بعینہٖ مصارفِ زکوٰۃ ہیں، واللہ تعالٰی اعلم

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ ۱۲۳ از بریلی محلہ کانکرٹولہ متصل مسجد خورد مرسلہ جناب الطاف علی صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو باوجود بیوہ اور یتیم ہونے کے کچھ نہ دے اور وہ تکالیف اٹھاتی ہوں اس حالت میں اگر زید صاحبِ نصاب ہو اور زکوٰۃ صدقہ ادا کرے تو وہ قبول ہوگا یا نہیں؟ اور زید کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

زید کی ماں اگر کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتی تو اس کا نفقہ زید پر فرض ہے، یونہی یتیم بہن کہ جس کی شادی نہ ہوئی ہو نہ اس کے پاس کچھ مال ہو، ان کو نہ دینے سے اس پر گناہِ عظیم ہے۔ حدیث میں فرمایا:

کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت[2] آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو محروم رکھے جن کا خرچہ اس کے ذمہ ہو۔ (ت)

رہی زکوٰۃ، وہ ماں کو نہیں دے سکتا بہن کو دے اور ماں کی خدمت اپنے پاس سے کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۴ از کاٹھیاواڑ مولوی سیف اللہ صاحب پیش امام جبت پور ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام و فضلائے عظام دامت علینا برکاتہم اس مسئلہ میں کہ بضرورت

---

[1] القرآن ۲/ ۲۲۰

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی صلۃ الرحم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمرو دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۰، ۱۹۴، ۱۹۵

زکوٰۃ کا روپیہ کوئی مسلمان قبضہ کرکے جو خود بھی مستحق زکوٰۃ ہو توسیعِ مسجد میں صرف کرے تو جائز ہے یا کس صورت سے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ دہندہ نے اگر زرِ زکوٰۃ مصرفِ زکوٰۃ کو دے کر اس کی تملیک کردی تو اب اُسے اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے کہ زکوٰۃ اس کی تملیک سے ادا ہوگئی، یُوں ہی اگر مزکی نے زرِ زکوٰۃ اسے دیا اور ماذون مطلق کیا کہ اس سے جس طور پر چاہو میری زکوٰۃ ادا کردو اس نے خود بہ نیتِ زکوٰۃ لے لیا، اس کے بعد مسجد میں لگا دیا تو یہ بھی صحیح و جائز ہے یُونہی اگر مزکی نے زرِ زکوٰۃ نکال کر رکھا تو فقیر نے بے اس کی اجازت کے لے لیا اور مالک نے بعد اطلاع اس کا لینا جائز کردیا اور اس کے بعد فقیر نے مسجد میں صَرف کیا تو یہ بھی صحیح ہے، اور اگر فقیر نے بطورِ خود قبضہ کرلیا اور مالک نے اُسے جائز نہ کیا یا بعد اس کے کہ مسجد میں لگا چکا جائز کیا، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ یونہی اگر مالک نے اسے روپیہ دیا اور وکیل کیا کہ میری طرف سے کسی فقیر کو دے دو یہ بھی فقیر ہے خود لے لیا اور مسجد میں لگا دیا تو اب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہُوئی اگرچہ اسے ماذون مطلق کیا ہو کہ تملیک نہ پائی گئی اور اس پر روپے کا تاوان آئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵ از مقام ترسائی کاٹھیاواڑ مرسلہ احمد داؤد صاحب یکم جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

فی زمانہ سیّدوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں، فاقوں تک بعض کی نوبت پہنچتی ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ لینا یا بغیر اس عذر کے بھی زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سیّد کو زکوٰۃ لینا دینا حرام ہے اور اسے دئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور فاقوں پر نوبت اگر اس بنا پر ہو کہ نوکری یا مزدوری پر قدرت ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو یہ فاقہ بھی عذر نہیں ہوسکتا کہ یہ اپنے ہاتھ کا ہے کیوں نہیں کسبِ حلال کرتا، اور اگر واقعی کسب پر قادر نہیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کی اعانت کریں، اور اگر لوگ بے پروائی کریں اور اُسے کوئی ذریعہ رزق کا سوا زکوٰۃ لینے کے نہ ہو تو بقدرِ ضرورت لے اور قدرِ ضرورت میں صرف کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۶ از مرزاپور سول لائن بنگلہ مولوی محب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر مرسلہ محمد عبدالقادر صاحب بدایونی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

زید نے بکر کو صدقہ دیا بکر کو علم ہے کہ صدقہ ہے، ایسی صورت میں بکر اُس مال کو سیّد کو دے سکتا ہے یا نہیں، اور وُہ مال بکر کی ملکیت ہے یا زید کی، جبکہ زید بکر کو دے چکا۔

الجواب

جب زید نے بکر کو مال صدقہ میں دیا اور بکر قابض ہوگیا اور وہ محل صدقہ تھا یا نہ تھا اور زید جانتا تھا کہ بکر محل صدقہ نہیں غنی جان کر صدقہ دیا تو دونوں صورتوں میں بکر مالک ہوگیا،

فقد نص العلماء کما فی ردالمحتار وغیرہ ان الصدقۃ علی الغنی لہا اجر وان کان دون اجر الصدقۃ علی الفقیر[1]

ردالمحتار وغیرہ میں علماء سے تصریح ہے کہ غنی پر صدقہ کا بھی اجر ہے مگر اس اجر سے یہ اجر کم ہوگا جو فقیر پر صدقہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (ت)

اور جب وہ مالک ہوگیا اور اپنی طرف سے سید کو نذر کرے نہ بطور صدقہ و زکوٰۃ بلکہ بطور ہدیہ و ہبہ تو سید کو اس کا لینا جائز ہے اگرچہ بکر کو زکوٰۃ ہی دی گئی ہو،

قال علیہ الصلوۃ والسلام لک صدقۃ و لنا ھدیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۷: مسئولہ محمد عمر جوان المعروف بہ قادری سکنہ موضع باسنی پرگنہ ناگور مارواڑ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

الحمدللہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ضلع مارواڑ تحت حکومت ناگوار میں ایک قصبہ ہے معروف بہ باسنی جہاں تخمیناً نوصد گھر مسلمانوں کے ہیں اور بفضلہ سب صغیر و کبیر برنا و پیر صوم و صلوۃ کے اس حد تک پابند ہیں کہ سفر و حضر، صحت و سقم، رنج و راحت غرضکہ ہر حالت میں نماز گزار اور پابند صلوۃ ہیں۔ قصبہ بھر میں شاذ و نادر کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو نماز نہ پڑھتا ہو، اما بوجہ نہ ہونے علم کے احکام شرعیہ و مسائل ضروریہ سے محض نابلد ہیں، جہالت کی اس قدر گرم بازاری ہے کہ آبا و اجداد کی رسوم کو کافی و وافی سمجھ کر مسائل شرعیہ سے (نہ بوجہ تعصب کے بلکہ بباعث نہ ہونے علم کے) یک لخت گریز ہے حق و باطل میں امتیاز ہو نہیں سکتا لیکن باوجود اس بات کے بھی اگر حسن اتفاق سے کوئی عالم آجائے تو اس کے وعظ میں بیٹھ کر تحصیل فیضان کرتے ہیں، افعال بد پر متنبہ ہونے کے بعد توبہ و استغفار بھی کرتے ہیں اور کسی مسائل گو کی بات پر چنداں چون و چرا بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۵۷

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اباحۃ الہدیۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۵

ف: صحیح مسلم میں الفاظ یوں ہیں: ھو لہا صدقۃ ولنا ھدیۃ۔ نذیر احمد سعیدی

نہیں کرتے مگر چونکہ قصبہ نرا کا نرا ہی علم سے معرّا ہے، کوئی وجود ایسا نہیں جو اس کی اصلاح و درستی کر سکے، آخر قصبہ کے چند سربرآوردہ و دُور اندیش اصحاب نے سوچا اگر قصبہ میں ایک اسلامی مدرسہ کھول دیا جائے جس کے ذریعہ ایسے وجود و نفوس علمائے اسلام کہ قصبہ میں آرہیں جو علاوہ وعظ گوئی کے مدرسہ میں علم تجوید و تفسیر و حدیث و فقہ و اصول و معانی کا طلبہ کو درس بھی دیتے رہیں تو البتہ قصبہ کی اصلاح حسبِ دلخواہ ممکن ہے، آخر انھیں حضرات مذکور الصدر کی سعی بلیغ سے مدرسہ کی عمارت تیار ہو کر سلسلۂ تعلیم بھی شروع کر دیا گیا اور گاؤں کی اصلاح بھی رُو بترقی ہے اور امید ہے کہ مدرسہ اگر قائم رہ گیا پوری درستی ہوجائیگی مگر چونکہ اتنے بڑے قصبہ کے طلباء صغار و کبار جو تخمیناً پانسو ہیں ان کی تعلیم کے لیے کم از کم دس مدرسین درکار ہیں، اور یہ انتظام بھی کر لیا گیا کہ جمیع طلباء داخل مدرسہ کر کے مدرسین بھی مقرر کر لیے گئے مگر مصارفِ مدرسہ رقومِ زکوٰۃ سے متعلق ہیں، اب ہمیں تشویش ہے کہ زکوٰۃ کن وجوہ مصارفِ مدرسہ میں مثل مشاہراتِ مدرسین فرش و فروش و تیل و چراغ و نیز مثل اس کے ضروریات مدرسہ میں خرچ ہوسکتے ہیں، آیا اس پر کوئی مفلس آدمی امین مقرر ہو کہ جس کے پاس سے حساب وغیرہ نہ لیا جائے یا اور حیلہ ہوسکتا ہے یا امین کے مزید شرائط ہوں غرضکہ مذہب حنفیہ میں کوئی ایسا پہلو نکل آئے کہ جس سے مصارف مدرسہ میں جائز ہونے کا کوئی حیلہ نکل آیا جب تو مدرسہ کی بقا کی امید قصبہ کی اصلاح کی صورت ہے ورنہ بدون ان رقوم کے اہلِ قصبہ میں اتنی وسعت نہیں کہ سوا زکوٰۃ کے اخراجاتِ مدرسہ کو اٹھا سکیں کیونکہ صاحبِ نصاب تو چند ہی ہوں گے باقی سب مسکین، اور اپنا نان و نفقہ قوتِ ضروری پیدا کر کے کھانے والے ہیں لیکن مسکین و متمول سب بالاتفاق مدرسہ میں امداد دہی کے لیے حاضر ہیں کسی کو اختلاف نہیں، جواب مدلل بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ مطابق مذہب حنفیہ مع صفحاتِ کتب ارقام ہو۔ بینوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ کا رکن تملیک فقیر ہے جس کام میں فقیر کی تملیک نہ ہو کیسا ہی کار حسن ہو جیسے تعمیر مسجد یا تکفینِ میّت یا تنخواہِ مدرسانِ علمِ دین، اس سے زکوٰۃ نہیں ادا ہوسکتی۔ مدرسۂ علمِ دین میں دینا چاہیں تو اس کے تین حیلے ہیں؛

ایک۱ یہ کہ متولی مدرسہ کو مالِ زکوٰۃ دے اور اُسے مطلع کر دے کہ یہ مال زکوٰۃ کا ہے۔ اسے خاص مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کرنا، متولی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور اس سے غریب طلبہ کے کپڑے بنائے، کتابیں خرید کر دے یا اُن کے وظیفہ میں دے جو محض بنظرِ امداد ہو نہ کسی کام کی اُجرت۔

دوسرے۲ یہ کہ زکوٰۃ دینے والا کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے اور وہ فقیر اپنی طرف سے کُل یا بعض مدرسہ کی نذر کر دے۔

تیسرے۳ یہ کہ مثلاً سو روپے زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ مدرسۂ علم دین کی ان سے مدد کرے تو

مثلاً دس سیر گیہوں کسی محتاج مصرفِ زکوٰۃ کے ہاتھ سَو روپے کو بیچے اور اسے مطلع کردے کہ یہ قیمت ادا کرنے کو تمھیں ہم ہی دیں گے تم پر اس کا بار نہ پڑے گا، وُہ قبول کرلے اس کے بعد سو روپیہ بہ نیتِ زکوٰۃ اس کو دے کر قابض کردے اس کے بعد اپنے گیہوں کی قیمت میں وُہ روپے اس سے لے لے، اگر وُہ نہ دینا چاہے تو یہ خود اس سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا عین حق ہے اب یہ روپے مدرسہ میں دے، ان پچھلی دونوں صورتوں میں یہ روپیہ تنخواہ مدرسین وغیرہ ہر کارِ مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے والمسئلۃ فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر (اس مسئلہ کی تفصیل در اور دیگر معتبر کتب میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

www.alahazratnetwork.org